کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور جزا کے عالم میں سمانا ہے۔ یہاں جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے۔ خوش نصیب ہیں، وہ افراد جنھوں نے اپنے مستقبل پر غور کیا اور اس چند روزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زیست ہو گئی۔

آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامۂ اعمال میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حسب حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا بھی ہے۔ آپ اپنے قومی ادارے جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں۔

1. اپنے ذہین و فطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کے لیے ادارہ میں داخل کروا کر۔
2. طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر کے۔ کیونکہ فرمان معصوم ہے جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔
3. ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے سیمنٹ، بجری، ریت، اینٹیں وغیرہ مہیا فرما کر۔
4. ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ "**دقائقِ اسلام**" کے باقاعدہ ممبر بن کر اور بروقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔
5. ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیل زر کے لیے:

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا ○ فون 0301-6702646

جلد ۱۵ ستمبر ۲۰۱۱ء شمارہ ۹

فہرست مضامین

مدیر اعلیٰ: ملک ممتاز حسین اعوان

مدیر: گلزار حسین محمدی

پبلشر: ملک ممتاز حسین اعوان

مطبع: انصار پریس بلاک ۱۰

مقام اشاعت: جامعہ علمیہ سلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ: الخطاط کمپوزرز 0307-6719282

فون: 048-3021536

زرِ تعاون 300 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

اداریہ

علماء کرام کی ذمہ داریاں

علمائے کرام کے بارے میں قرآن و حدیث میں بڑے فضائل و مراتب بیان ہوئے ہیں۔ ارشاد رب العزت ہے: اِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ اللہ کے بندوں میں علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ پھر فرمایا: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟۔ احادیث نبویؐ میں علمائے کرام کے بارے میں ارشاد ہے: اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ۔ کہ علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ ظاہر کہ یہ وراثت تبلیغ دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے مراد ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وظیفہ اگر ترک کر دیا جائے تو معاشرے میں برائیاں گھر کر جاتی ہیں اور خداوند عالم کی طرف سے امت مسلمہ مختلف مشکلات اور مصائب سے دوچار ہو جاتی ہے۔

اکثر علمائے کرام حکمت عملی کا شکار ہیں، وہ عوام کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ اس لیے عوامی عقائد اور اعمال میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ لوگ اپنی من پسند چیزوں کو دین میں داخل کر رہے ہیں اور اپنی ناپسند چیزوں کو دین سے خارج کر رہے ہیں۔ علمائے کرام اس صورت کا جائزہ لے کر مستقل منصوبہ بندی کے ساتھ بدعقیدتی اور بدعملی کی یلغار کو روکیں۔ خاص طور پر بزرگ علمائے کرام اپنی تمام تر صلاحیتیں اصلاح احوال پر خرچ کریں۔ واعظین و خطباء مجالس عزا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وظیفہ فراموش نہ فرمائیں۔ دینی فرائض نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کے ساتھ اخلاقیات اور معاملات پر خصوصی توجہ کی جائے اور نئی نسل کی تربیت اور کردار سازی پر خاص توجہ کی جائے۔ مختلف علاقوں میں تربیتی کیمپ کا انعقاد کر کے یہ مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں مرکزی رہنما اور علمائے کرام مل بیٹھ کر کوئی لائحہ عمل طے فرمائیں۔ محرم الحرام سے قبل خطباء، واعظین کا ایک اجتماع منعقد کر کے تمام دینی اور مذہبی ضروریات کا احساس دلایا جائے اور تطہیر منبر و محراب کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں۔ قومی اخبارات و جرائد بھی اس بارے اپنے حقیقی فرائض سرانجام دیں اور قوم و ملت کی رہنمائی کے لیے پروگرام مرتب کر کے قابل عمل تجاویز دیں۔

تمام طبقات رہبران قوم، علمائے کرام اور واعظین اصلاح احوال کی طرف قدم بڑھائیں اور عوام کو دینی اور قومی دھارے میں لانے کے لیے مساعی تیز کر دیں۔

میر سپاہ ناسزا لشکریاں شکستہ صف

آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف

(اقبالؒ)

باب العقائد

بعثت انبیاءؑ کی ضرورت اور غرض و غایت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بعثت انبیاءؑ کی ضرورت اور اس کی غرض و غایت کے سلسلہ میں متعدد وجوہ بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں صرف بعض اہم امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

☆ خلاق عالم نے انسان میں دو قسم کی قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ ایک قوتِ ملکیہ رُوحانیہ، دوسری قوتِ بہیمیہ جسمانیہ، اس خالق حکیم نے یہ انتظام فرمایا ہے کہ قوتِ بہیمیہ کے امراض و اسقام کے ازالہ کے لیے ڈاکٹر و حکیم پیدا فرمائے ہیں۔ ضرورت تھی کہ خدائے حکیم قوتِ ملکیہ کی نشوونما اور اس کے روحانی امراض کے علاج معالجہ کے لیے بھی کچھ ایسے حضرات قدسی صفات مقرر فرمائے جو صورت میں تو انسان ہی ہوں مگر قوتِ ملکیہ کے کامل اور دیگر کمالات کے اتم و اکمل ہونے کی وجہ سے ملائکہ سے بھی افضل ہوں۔ انہی کو اصطلاح شریعت میں انبیاء و مرسلین کہا جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے:

یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم و شفاءٌ لما فی الصدور و ھدی و رحمۃ للمومنین۔

(سورۂ یونس پارہ ۱۱ ع ۱۲)

☆ جب ایک عقل مند انسان دلائل عقلیہ فطریہ سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ اس کا ایک خالق و مالک ہے تو وہ یہ سوچتا ہے کہ اس کی غرض خلقت کیا ہے؟ کن باتوں سے اُنھیں قرب ایزدی حاصل ہوگا اور کن امور کی وجہ سے وہ بارگاہِ قدس سے دور ہو جائے گا؟ خالق کی رضامندی کن باتوں میں پوشیدہ ہے اور اس کی ناراضی کن چیزوں میں مضمر ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لیے ضرورت تھی کہ کچھ وسائط درمیان میں موجود ہو، جو دو جنبے رکھتے ہوں۔ ایک جنبہ وہ ہو جو جمال و کمال احدیت کا پرتو ہو، جس کی وجہ سے خالق عالم سے احکام و تعلیمات حاصل کر سکیں اور دوسرا جنبہ وہ ہو جس میں وہ عام انسانوں کی طرح معلوم ہوں، تاکہ لوگوں کو وہ احکام پہنچا سکیں اور ان کی زندگی اور ان کی سیرت و کردار عام لوگوں کے لیے مشعل راہ بن سکے۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشددکا

ایسے ہی وسائط اور وسائل کو اصطلاح شریعت میں نبی و رسول کہا جاتا ہے۔ ان کی حیثیت خالق و مخلوق کے درمیان وسائل اور روابط کی مانند ہوتی ہے۔ جس طرح بلاتشبیہ بادشاہ اور رعیت کے درمیان وزراء واسطہ ہوتے ہیں جو بادشاہ کے احکام سے رعایا کو آگاہ کرتے ہیں۔ اسی طرح خداوند عالم اور اس کے بندوں کے درمیان انبیاء وسیلہ اور سفیر ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کو خالق کی مرضی و منشاء کی

اطلاع دیتے ہیں۔ تاکہ لوگ اپنے مقصد خلقت کی تکمیل کر کے فلاح و نجاح دارین حاصل کر سکیں ظاہر ہے کہ تنہا عقل انسانی ان حقائق کو سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے۔

☆ یہ امر محتاج دلیل نہیں ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ تنہا اپنی تمام ضروریات پورا نہیں کر سکتا، بلکہ اپنے بنی نوع انسان کے تعاون اور ان کے ساتھ اجتماع کا محتاج ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس اجتماع میں ذاتی جلب منفعت اور دفع مضرت کی وجہ سے جنگ و جدال اور قتل و قتال کا صرف ظن غالب ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے۔ اس لیے ایک بہترین قانون اور قانون دان حاکم عادل کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ انسانی دماغ کا ساختہ پرداختہ قانون اور عالم خطا کار حاکم اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے۔ اس لیے ضرورت ہے قانون الٰہی اور کامل انسان کی جو اسے بلا رو و رعایت نافذ کر کے اصلاح معاشرہ کر سکے۔ اسی قانون کو دین اور حاکم کو نبی و رسول کہا جاتا ہے۔

انبیاء کی شناخت کا معیار

مذکورہ بالا بیانات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مدعی نبوت و رسالت کے پہچاننے کا حقیقی معیار یہ ہے کہ جب کوئی شخص دعوائے نبوت و رسالت کرے اور تمام گناہان صغیرہ و کبیرہ سے اس کا دامن عصمت پاک و صاف ہو اور عقائد صحیحہ، اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ کا مالک ہو، اور وہ کوئی نہ کوئی معجزہ بھی رکھتا ہو جو عقلاً ممکن ہونے کے ساتھ ساتھ محال عادی اور خارق عادت ہو۔ جس کا مثل و نظیر لانے سے تمام دنیا والے عاجز و قاصر ہوں تو اس سے یقین ہو جائے گا کہ وہ شخص منجانب اللہ بھیجا ہوا ہے اور اپنے دعویٰ میں صادق اور راست باز ہے۔ فمن ذلك الطريق فاطلب اليقين بالنبوة۔

اسی طرح صداقت انبیاء معلوم کرنے کے بعض اور طریقے بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ حقیقی انبیاء کی پیشانیوں پر خوف و خشیہ اور تقویٰ الٰہی کے انوار ضوء آفتاب کی طرح واضح و آشکار ہوتے ہیں، رشد و ہدایت اور صلاح و فلاح کے آثار ان کے اعضاء و جوارح سے ہویدا ہوتے ہیں اور وہ ارباب دول اور امراء و سلاطین سے بے تعلق تمام شہوات اور لذائذ دنیا سے متنفر ہوتے ہیں۔ اہل اللہ کے دل خود بخود ان کی طرف مائل ہوتے ہیں، بخلاف ارباب مکر و تزویر کے کہ ان کے حالات و کوائف ان کے برعکس ہوتے ہیں۔ وہ امراء و سلاطین کی طرف مائل، لذائذ و شہوات میں منہمک اور حب دنیا میں مستغرق ہوتے ہیں بہر حال صادقین و کاذبین کے صفات و سمات، اقوال و افعال، صورت و سیرت، ظاہر و باطن میں وہی فرق ہوتا ہے جو نور و ظلمت اور لیل و نہار میں ہے۔ کوئی کاذب و مفتری اور متنبی اپنے اصلی عادات و خصائل اور رذائل کو چھپانے کی ہزار کوشش کرے مگر حقیقت ظاہر ہو کر ہی رہتی ہے۔ ؎

ومهما تكن عند امرأ من خليقة
و ان خالها تخفى على الناس تعلم

اسی طرح انبیاء کی پہچان کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ جب وہ گزشتہ واقعات اور آئندہ آنے والے حوادث و حالات کی خبر دیں تو وہ بات بلا کم و کاست

درست ثابت ہو۔ پیش گوئیوں کی صداقت پیشگوئی کرنے والے شخص کی صداقت کی بین دلیل ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا علم وہبی ولدنی ہوتا ہے نہ کسبی واکتسابی۔ اسی طرح سچے مدعی نبوت کی شناخت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کی شریعت کے احکام ومسائل اور عقائد وتعلیمات کو عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے میزان پر جانچا جائے۔ اگر اس کی تعلیمات عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے مطابق ہوں تو اس کی تعلیمات کا مطابق عقل وفطرت ہونا بھی اس کے منجانب اللہ مبعوث ہونے کی دلیل متصور ہوگی۔ اسی طرح سابق مسلم الثبوت نبی کا کسی آنے والے بزرگ کی نبوت کا اعلان کرنے اس کے نام ونشان کی معرفی کرانا بھی پہچان کا ایک قطعی طریقہ ہے۔ بہرکیف کسی شخص کے دعوائے نبوت کی صداقت معلوم کرنے کا بہترین معیار عصمت اور معجزہ کا وجود ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس معیار کو عوام وخواص سب لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ لہٰذا جس دعویدار نبوت کا دامن ان دو نعمتوں سے تہی ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ متنبی اور مفتری ہے۔ کان ذامن کان کما لا یخفی علی اولی الاذہان

باب الاعمال

اِسراف و تبذیر

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

اسراف یہ ہے کہ آدمی مال خرچ تو وہاں کرے جہاں کرنا چاہیے، مگر کرے ضرورت سے زیادہ اور تبذیر یہ ہے کہ بے محل مال خرچ کیا جائے۔ ہر دو کے لیے جامع لفظ فضول خرچی ہے۔ چونکہ عربوں میں فیاضی فضول خرچی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے اسلام نے سختی سے فضول خرچی سے روکا ہے۔ فضول خرچی کا چونکہ نتیجہ افلاس ہے اس لیے حدیث میں وارد ہے: ما افتقر من اقتصد۔ جو درمیانہ روی سے کام لیتا ہے وہ کبھی فقیر و قلاش نہیں ہوتا۔ (احیاء العلوم)

ارشاد قدرت ہے: و آت ذالقربی حقه و المسکین و ابن السبیل و لا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین و کان الشیطان لربه کفورا۔ (بنی اسرائیل)

رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو اور فضول خرچی مت کرو۔ کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی جو لوگ شادی بیاہ، اور خوشی و غم کی تقریبوں میں اس قسم کی فضول خرچیوں کے مرتکب ہوتے ہیں وہ قرآن کی اصطلاح میں شیطان کے بھائی کہلائیں گے۔ یہ تعلیم فیاضی کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ فیاضی بخل اور اسراف کے درمیان کا نام ہے۔ خدا اسی کا حکم دیتا ہے۔

و لا تجعل یدك مغولة الی عنقك و لا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ (بنی اسرائیل)

اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ (گویا) گردن میں بندھا ہے اور نہ بالکل اس طرح پھیلاؤ کہ تہی دست ہو کر قابل ملامت حالت میں بیٹھ جاؤ۔

اعتدال کی تعلیم اسلام کا خاص طرۂ امتیاز ہے۔ اس لیے اللہ نے مسلمانوں کا امتیازی وصف یہ قرار دیا ہے کہ: والذین اذا انفقوا لم یسرفوا و لم یقتروا و کان بین ذلك قواما۔ (الفرقان) جب خرچ کریں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی بالکل تنگی کرتے ہیں، بلکہ ان کا یہ خرچ افراط و تفریط کے درمیان ہوتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو، بے شک خدا فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

کفران نعمت و ناشکرگزاری

جس طرح منعم کی نعمت کا شکر ادا کرنا بہت بڑی اخلاقی نیکی ہے جس سے علاوہ اظہار شرافت کے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے: ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم۔ اگر تم شکر گزار و ایمان دار بن جاؤ تو خدا کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں سزا دے۔ لیکن خیال رہے کہ شکریہ یہ نہیں ہے کہ صرف زبان سے دو چار رسمی لفظ ادا کر دیے جائیں، بلکہ دراصل شکریہ یہ ہے کہ منعم کی ہر عطاء کردہ نعمت کو اس کام میں صرف کیا جائے جو اس کی منشاء کے مطابق ہو۔ اس لیے شکر کی منزل بڑی مشکل ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے: وقلیل من عبادی الشکور۔ میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کفران (ناشکری) کس قدر اخلاقی جرم ہے۔ علاوہ اس کے کہ اس سے ناشکرے آدمی کی کمینگی ظاہر ہوتی ہے۔

اس میں چند نقصان ہیں۔ اول یہ کہ اس سے نعمت سلب ہو جاتی ہے، خداوند عالم ایک ناشکری قوم کا ذکر کر کے فرماتا ہے: فکفرت بانعم اللہ فاذاقہا اللہ لباس الجوع و الخوف۔ جب اس نے کفران نعمت کیا تو خدا نے اسے بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ ان اللہ لا یغیر ما بقول حتی یغیروا ما بانفسہم۔ یعنی خدا کسی قوم کو کوئی نعمت دے کر واپس نہیں لیتا۔ جب تک وہ قوم کفران نعمت کر کے خود اس نعمت کے سلب کا سبب نہ بن جائے۔

دوئم یہ کہ آدمی اس سے اخروی عذاب و عقاب کا سزاوار بن جاتا ہے۔ چنانچہ خالق فرماتا ہے: ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ اگر تم کفران نعمت کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

مخفی نہ رہے کہ جس طرح منعم حقیقی کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے اسی طرح بندوں میں سے اپنے مجازی محسن کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ جو شخص بندوں میں سے اپنے محسن کا شکریہ ادا نہ کرے وہ یوں سمجھے کہ اس نے اپنے خالق کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ (المحجۃ البیضاء)

باب التفسیر

جاہلی دور کی بعض غلط رسم و رواج کی مخالفت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (۱۹)

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان پر سختی کرو اور روکے رکھو تاکہ جو کچھ تم نے جہیز وغیرہ انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ حصہ لے اڑو۔ مگر یہ کہ وہ صریح بدکاری کا ارتکاب کریں (کہ اس صورت میں سختی جائز ہے) اور عورتوں کے ساتھ عمدہ طریقہ سے زندگی گزارو۔ اور اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔ (۱۹)

تفسیر الآیات

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... الاٰیۃ

زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کا (کسی دوسری بیوی سے بیٹا) یا کوئی اور ولی وارث اس کی دوسری جائیداد کی طرح اس کی بیوہ کے سر پر کپڑا ڈال دیتا تھا اور اس طرح وہ اس کی بیوی بن جاتی تھی اور وہ اسے بیوی کی طرح اپنے گھر میں بند رکھتا تھا اور اس کا کوئی حق مہر بھی مقرر نہیں کرتا تھا، بلکہ اسی مہر پر اکتفا کرتا تھا جو اس کے مورث نے ادا کیا تھا اور اگر چاہتا تو حق مہر لے کر اس کا دوسری جگہ عقد کر دیتا تھا اور اس طرح بزبردستی اس عورت کا وارث قرار پاتا تھا۔ اس کارروائی سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔ (مجمع البیان وصافی وغیرہ) چنانچہ اوائل اسلام میں بھی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ ابوقیس بن اسلت صحابی کا انتقال ہوگیا اور اس کے بیٹے محصن بن ابی قیس نے اس کی بیوہ کبیشہ بنت معن پر چادر ڈال دی۔ اس طرح اسے اپنے نکاح میں تو لے لیا مگر بعد ازاں نہ اس کے قریب گیا اور نہ اس کا نان ونفقہ ادا کیا۔ چنانچہ کبیشہ نے اس صورت حال کی بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ نہ تو میں اپنے شوہر کی وارث قرار پائی اور نہ ہی مجھے آزاد چھوڑا گیا۔ تاکہ میں عقد ثانی کر سکتی۔ اس کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آئندہ مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (ایضاً)

ولا تعضلوھن ..... الآیۃ

اس جملہ کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں۔

☆ مالدار بیوہ کو اس کے وارث کہیں عقد ثانی نہیں کرنے دیتے تھے، کہ مال و دولت ہمراہ نہ لے جائے، بلکہ یہیں رہ کر مرے، تاکہ یہ اس کے مال کے وارث قرار پائیں، یا وہ اپنا مال ان کے حوالہ کر کے ان سے جان چھڑائے۔

☆ یہ شوہروں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ تم اپنی بیویوں پر اس قدر سختی نہ کرو کہ وہ تمہارا ادا کردہ حق مہر تمہارے حوالے کر کے تم سے طلاق خلع حاصل کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

☆ شوہر کے پاس بیوی موجود ہے جس کی اسے ضرورت نہیں ہے، اور وہ اسے ناپسند بھی کرتا ہے مگر اسے صرف اس لیے روکے ہوئے ہے اور اسے فارغ نہیں کرتا کہ اس کے مرنے کے بعد یہ اس کے مال کا وارث قرار پائے۔ (مجمع البیان عن الباقرؑ)

الغرض اب یا تو شوہر کی ناشزہ و نافرمان بن جائیں یا کھلی ہوئی معصیت کاری کریں جو بہرحال ممنوع ہے۔ البتہ اگر وہ کھلی ہوئی غلط کاری (یعنی زناکاری کریں) تو پھر ان سے حق مہر واپس لینے کی خاطر سختی کی جاسکتی ہے اور طلاق خلع بھی دی جاسکتی ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتیں تو پھر شوہروں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ اپنی بیویوں سے حسن سلوک کریں اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کریں اور ان سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں اور ان کا نان و نفقہ ادا کریں۔ اگر وہ انھیں ناپسند ہیں اور ان سے دل نہیں ملتا تو تقاضائے عقل و شرافت یہ ہے کہ انھیں برداشت کریں اور یہ سمجھیں کہ شاید اللہ نے اس میں ان کے لیے کوئی بڑی بھلائی رکھی ہو۔ جو اولاد صالح بھی ہو سکتی ہے اور تمہاری خدمت گزاری اور آرام رسانی بھی ہو سکتی ہے۔

بقیہ باب المسائل

الجواب باسمہ سبحانہ: لفظ ولایت کی واو پر اگر زیر پڑھی جائے ولایت تو اس کے معنی محبت و مؤدت کے ہیں کہ حضرت علی اور دوسرے ائمہ معصومینؑ کی محبت و مؤدت لازم ہے جو کہ آیت مؤدت (قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ) کا مفاد ہے۔ اور اگر اس لفظ پر زبر پڑھی جائے وَلایت، تو اس کے معنی حکومت بادشاہت کے ہیں کہ ان ذوات مقدسہ کو منجانب اللہ حاکم اعلیٰ اور سردار ماننا ضروری ہے، جو کہ آیت ولایت (انما ولیکم اللہ و رسولہ و المومنین آمنوا الذین الآیۃ) کا مفاد ہے۔

باب الحدیث

اہل ایمان کے ایک دوسرے پر حقوق کا بیان

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

☆ محمد بن عجلان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص وارد ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ امام نے اس سے پوچھا تمہارے علاقہ کے مومنین کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا سب ٹھیک ٹھاک ہیں اور بڑے اچھے ہیں۔ امام نے دریافت کیا ان کے مالدار غریب و نادار اہل کی مزاج پرسی کرتے ہیں؟ عرض کیا بہت کم۔ پھر فرمایا کیا مالدار لوگ غربا مومنین کی دیکھ بھال کرتے ہیں؟ عرض کیا بہت کم۔ پھر فرمایا ان کے مالدار غریبوں سے صلہ رحمی کرتے ہیں؟۔ اس شخص نے جھنجلا کر کہا آقا آپ ان اوصاف کا تذکرہ فرما رہے ہیں وہ ہمارے لوگوں میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ امام نے فرمایا پھر وہ کس طرح دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہمارے شیعہ ہیں۔ (اصول کافی)

☆ ابو اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ مولا ہمارے علاقہ میں شیعہ بہت ہیں، امام نے پوچھا کہ کیا ان کا مالدار اپنے غریب و نادار بھائی پر شفقت کرتا ہے؟ کیا محسن اپنے گنہگار بھائی سے درگزر کرتا ہے، اور کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مواسات کرتے ہیں (دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں) راوی نے عرض کیا کہ نہیں۔ امام نے فرمایا پھر یہ لوگ شیعہ نہیں ہیں۔ شیعہ تو وہ ہے جو یہ کام انجام دے۔ (ایضاً)

☆ ابو حمزہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: مومن کا مومن پر یہ حق واجب ہے کہ اس کے ستر گناہان کبیرہ پر پردہ ڈالے اور ان کو چھپائے۔ (ایضاً)

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء و اجداد طاہرین کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا ایک مسلمان پر لازم ہے کہ جب سفر پر جانے لگے تو اپنے برادران ایمانی کو بتا کر جائے اور جب واپس آئے تو ان پر لازم ہے کہ وہ جا کر اس سے ملاقات کریں۔ (ایضاً)

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، فرمایا کہ مومن کا حق ادا کرنے سے بڑھ کر کسی چیز سے خدا کی عبادت نہیں کی گئی ہے۔ (ایضاً)

سوالات جناب سید عارف حسین شاہ نقوی ایم اے آف پہاڑ پور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (گزشتہ سے پیوستہ)

سوال نمبر ۲۴۲ : استخارہ کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کب، کیوں، اور کیسے کیا جاتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: استخارہ کے لغوی معنی تو طلب خیر کے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب کوئی شخص کوئی جائز کام کرنا چاہے تو خداوند عالم سے طلب خیر کرے کہ وہ ذات جامع جمیع صفات اس کام میں خیر و برکت عطا فرمائے اور وہ کام بخیر و خوبی انجام پذیر ہو جائے۔ وہ دعاء استخارہ جو صحیفہ کاملہ میں موجود ہے وہ اسی معنی کے لحاظ سے ہے۔ ہاں البتہ استخارہ کا وہ عام مفہوم جو لوگوں کے ذہنوں میں جاگزین ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہو تو اس کے کرنے کے سلسلہ میں خداوند عالم سے مشورہ کیا جائے کہ میں وہ کام کروں یا نہ کروں۔ اور پھر اس کے مختلف طریقے ہیں۔ استخارہ ذات الرقاع بھی ہے۔ (جو سب سے زیادہ مستند و معتبر ہے) تفاؤل بالقرآن بھی ہے اور تسبیح پر بھی کیا جاتا ہے۔ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے استخارہ کے انواع و اقسام پر ایک پورا رسالہ بنام مفاتیح الغیب لکھا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ جب کوئی اہم کام کرنا ہو تو سب سے پہلے عقل و خرد سے سوچنا چاہیے اور اس کام کے مثبت و منفی پر غور و فکر کر کے کوئی مناسب فیصلہ کرنا چاہیے۔ اور اگر وہ معاملہ اتنا گھمبیر ہو کہ آدمی کی عقل و خرد کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو پھر دیندار اور معاملہ فہم حضرات سے مشورہ کرنا چاہیے کہ ایسا کرنے سے ضرور کوئی مثبت فیصلہ سامنے آ جاتا ہے۔ اور اگر بالفرض مشورہ کرنے سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر تیسرے نمبر پر استخارہ کی نوبت آتی ہے۔ یہ جو عام رواج ہو گیا ہے کہ نہ عقل سے سوچا جائے، نہ کسی سے مشورہ کیا جائے اور تیسرے نمبر والے استخارہ کو پہلے نمبر پر لا کر کسی خشک مقدس سے استخارہ کرایا جائے۔ یہ روش بہر حال غلط ہے۔ اور قابل مذمت ہے۔

سوال نمبر ۲۴۳ : رب الارباب کے لفظ سے ارباب کا تصور ابھرتا ہے۔ وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: بے شک یہ تصور ابھرتا ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ خدا، رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ کی نگاہ میں بھی وہ رب ہیں؟ بلکہ اس لفظ یہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن اصنام وغیرہ کو مشرک لوگ رب مانتے ہیں ہمارا پروردگار ان کا بھی رب اور پروردگار ہے۔ جناب یوسفؑ اپنے ساتھ قیدیوں سے فرماتے ہیں: ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار میرے ساتھیو تم ہی

بتاؤ کہ آیا بہت سے ربوں کو ماننا بہتر ہے یا ایک قہار و جبار پروردگار کو ماننا بہتر ہے؟ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت یوسفؑ مشرکوں کے ربوں کو رب مانتے تھے؟۔ دعا میں وارد ہے کہ یا الٰہ الآلہہ اے الہوں کے الٰہ (مفاتیح الجنان) تو اس کا یہ مطلب ہے کہ امام علیہ السلام مشرکین کے خداؤں کو خدا مانتے تھے۔ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ جن بتوں کو کفار و مشرکین الٰہ اور خدا مانتے ہیں ہمارا خدا ان کا بھی الٰہ اور خدا ہے۔

سوال نمبر ۲۴۴: ایمان اور اطمینان قلب میں کیا فرق ہے؟۔

الجواب باسمہ سبحانہ: ایمان کے معنی حاکم اعلیٰ کی بات، حکم ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ہے۔ خواہ دل مطمئن ہو یا نہ ہو۔ اور اطمینان قلب تسلی و تشفی کا نام ہے جو اصل حقیقت کا مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بارگاہ خدا میں درخواست کرتے ہیں کہ مجھے آنکھوں سے دکھا تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے؟ ارشاد قدرت ہے: اولم تومن؟ اے خلیلؑ اس پر تیرا ایمان نہیں ہے کہ میں مردے زندہ کر سکتا ہوں؟ جناب خلیل عرض کرتے ہیں: بلیٰ۔ ایمان تو ہے۔ و لکن لیطمئن قلبی۔ پر میں اطمینان قلب چاہتا ہوں۔ آنکھوں سے دیکھ لوں تاکہ دل مطمئن ہو جائے۔

سوال نمبر ۲۴۵: شیخ مفید کو شیخ مفید کیوں کہتے ہیں؟ ان کا اصل نام کیا ہے؟

الجواب باسمہ سبحانہ: حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ کا نام نامی اور اسم گرامی شیخ محمد بن محمد ہے اور لقب مفید ہے جو کہ بعض اخبار و آثار کی بنا پر آپ کو یہ لقب حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف نے عطا فرمایا تھا۔ (قصص العلماء تنکابنی) اور ویسے مفید کے عمومی معنی فائدہ پہنچانے والا۔ اور ان جناب کے علمی و عملی فوائد و عوائد سے مذہب شیعہ چھلک رہا ہے۔ ع

سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

جناب الحاج ضمیر الحسن میئر آف برمنگھم (برطانیہ) کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر ۱: آج کل ائمہؑ کی ولادت کی جگہ لفظ ظہور استعمال ہو رہا ہے، اور کہا جا رہا ہے کہ وہ پیدا نہیں ہوتے ظہور فرماتے ہیں؟

الجواب باسمہ سبحانہ: یہ بدعقیدہ جہالت و ضلالت کی پیداوار ہے۔ ورنہ عام انسان ہوں یا انبیاء اور ان کے اوصیاء سب پیدا ہوتے ہیں۔ البتہ قادر مطلق کبھی کسی نبی کا ماں باپ کے بغیر پیدا کر دیتا ہے جیسے جناب آدمؑ اور کبھی بغیر باپ کے پیدا کر دیتا ہے جیسے جناب عیسیٰؑ۔ مگر پیدا بہرحال ہوتے ہیں۔ وہ ذات جو لم یلد ولم یولد کی مصداق ہے کہ نہ کوئی اس سے پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جامع جمیع صفات ہے و بس۔ ہاں البتہ ہماری اور ان ذوات مقدسہ کی ولادت میں یہ فرق ضرور ہے کہ عام لوگ نطفہ گندیدہ سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ ذوات مقدسہ مشروب عرشی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہماری دائیاں ناف کاٹتی ہیں اور ختنے حجام کرتے ہیں مگر یہ

ذواتِ قادسہ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوتے ہیں۔ ہم بالکل جاہل پیدا ہوتے ہیں اور وہ ذوات مقدسہ فی الجملہ دولت علم لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ الی غیر ذالک من الفروق۔

سوال نمبر ۲: امام مہدیؑ کے نام عریضے لکھ کر پانی میں بہائے جاتے ہیں۔ اس کی کوئی اسلامی حیثیت ہے؟

الجواب باسمہ سبحانہ: یہ صرف ایک رسم ہے جو عام اہل ایمان میں رائج ہے۔ نہ معلوم اس کی ابتداء کب اور کہاں سے ہوئی۔ اس کی شرعی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی چول سیدھی ہے۔ عریضہ اپنے زمانہ کے امام کے نام لکھا جاتا ہے جو زندہ ہیں اور واسطہ اس نائب خاص کو قرار دیا جاتا ہے جو قریباً بارہ سو سال پہلے فوت ہو چکا ہے اور بغداد میں مدفون ہے کہ وہ عالم برزخ سے آئے اور ہمارا عریضہ ہمارے زندہ امام تک پہنچائے؟ ہے اس سادگی کی کوئی حد؟ پھر لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ وہ عریضے جو آٹے کی گولی میں لپیٹ کر دریا میں بہائے جاتے ہیں اکثر و بیشتر تو مچھلیوں کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں اور کچھ کسی درخت یا جھاڑی کے ساتھ چمٹ کر رہ جاتے ہیں، امامؑ تک کیسے پہنچتے ہیں؟۔ بہرحال صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مرکز کائنات اور قاضی الحاجات اور سرکار محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام اس کی بارگاہ تک پہنچنے اور حاجت برآری کا وسیلہ ہیں۔ لہٰذا ہر جائز حاجت کے لیے دعا خالق کائنات کی بارگاہ میں کرنی چاہیے۔ اور وسیلہ سرکار محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کو قرار دینا چاہیے اور ان ذوات قادسہ کا واسطہ دے کر اس کی بارگاہ میں دعا و استدعا کرنی چاہیے۔ وبس۔ اس عریضہ لکھنے کا کوئی ثبوت ہمیں کلام معصومین سے دستیاب نہیں ہوا۔ ع

موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم

سوال نمبر ۳: ہمارے منبروں بیان ہوتا ہے کہ ہمارے اعمال امام کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ کیا کبھی ہمارے نبیؐ کی زندگی بھی انسانوں کے اعمال پیش ہوئے تھے؟ اگر ہوئے تھے تو کس وقت۔ پلیز۔ تاریخ کا حوالہ پیش کریں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: کتب فریقین میں پیغمبر اسلام کی حدیث شریف موجود ہے کہ حیاتی خیرلکم و مماتی خیرلکم۔ کہ میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی زندگی ہمارے لیے بہتر ہے تو ظاہر ہے۔ مگر آپ کی موت کس طرح ہمارے لیے بہتر ہے؟۔ فرمایا: تمہارے اعمال صبح و شام میرے پاس حاضر کیے جائیں گے (کراماً کاتبین کے ذریعے سے) اگر تم نیک کام کرو گے تو میں خوش ہو کر تمہارے حق میں دعا کروں گا۔ اور اگر برے کام کرو گے تو مجھے اذیت ہوگی۔ (بحار الانوار۔ کنز العمال وغیرہ)

آیت مبارکہ: قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ و المؤمنون (پارہ ۱۱) تم عمل کرو اللہ، اس کا رسول اور کامل الایمان مومنین بھی تمہارے عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کی تفسیر میں ائمہ طاہرینؑ سے جو کچھ منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی رؤیت براہ راست ہے۔ اور رسولؐ اور ائمہ طاہرینؑ کی رؤیت

بذریعہ کراماً کاتبین ہے کہ رات کے فرشتے صبح کے وقت اور دن کے فرشتے رات کے وقت آدمی کا نامہ اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے سے پہلے نبی و امام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ (تفسیر قمی و صافی، البرہان اور نور الثقلین وغیرہ وغیرہ) اب رہی اس کی کیفیت کہ وہ کس طرح پیش کرتے ہیں اور وہ کس طرح پڑھتے اور معلوم کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ ہماری شرعی ذمہ داری ہے واللہ العالم بحقائق الامور۔ امید کامل ہے کہ ان حقائق سے آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سید اعجاز حسین شاہ صاحب کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر ۱: تجلیات صداقت میں یا علی مدد کا جواز پیش کیا گیا ہے۔ لیکن فیضان الرحمن میں بالواسطہ طور پر اس کے الٹ موقف اختیار کیا گیا ہے۔ وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: اس کی وضاحت یہی ہے کہ مولوی کرم دین آف بھیں یہ کہہ کر کہ شیعوں کا سلام بھی مسلمانوں سے جدا ہے۔ کیونکہ مسلمان جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں سلام علیکم یا السلام علیکم اور دوسرا کہتا ہے وعلیکم السلام۔ مگر شیعہ جب ملتے ہیں تو کہتے ہیں یا علی مدد، دوسرا جواب دیتا ہے پیر مولا علی مدد۔ ہمیں کافر ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ لہذا ہمیں اصول مناظرہ کے ماتحت کچھ کھینچ تان کر اس کا جواز ثابت کرنا پڑا۔ لیکن فیضان الرحمن میں اصل حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ اسلامی سلام وہی سلام علیکم اور وعلیکم السلام ہے۔ یہ ملنگوں کا من گھڑت سلام ہے جو صرف پنجاب اور سندھ میں بولا جاتا ہے یا پھر آغا خانیوں کا مذہبی شعار ہے۔ و بس۔ اللہ باقی و بس باقی ہوس۔

سوال نمبر ۲: جس طرح کچھ ذاکرین حضرت علی کو نصیریوں کے خدا کے طور پر بڑے فخر سے پیش کرتے ہیں اسی طرح آپ نے فیضان الرحمن میں قائلین تحریف کا موقف بڑے دھڑلے سے پیش کیا ہے۔ الخ

الجواب باسمہ سبحانہ: ع

پڑیں پتھر اس سمجھ پہ تم سمجھے تو کیا سمجھے

میں نے فیضان الرحمن میں بڑے دھڑلے اور زور شور سے پیش کیا ہے، وہ ہے عدم تحریف کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی کوئی تحریف واقع نہیں ہوئی۔ ہاں آخر میں اپنے علماء کرام کو غیروں کے فتووں سے بچانے کے لیے ان کی طرف سے یہ عذر پیش کیا ہے کہ اگر وہ تحریف کے قائل ہیں تو وہ بھی بزعم خود کچھ دلائل رکھتے ہیں، وہ بلا دلیل نہیں کہتے۔ آیا اسے دھڑلے سے ان کے موقف کی تائید کہتے ہیں؟ ع

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

سوال نمبر ۳: نبأ عظیم کی تشریح میں اس سے مراد قیامت لی ہے اور ایضاح میں لکھ دیا ہے کہ یہ آیت حضرت امیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اصل مطلوب کچھ مخفی نہیں لیکن آپ نے قاری کو بالکل مختلف باتیں بتادی ہیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: کیا ان میں کوئی تضاد ہے؟ کہ ایک ہی چیز مراد ہوگی، یا دونوں باتیں مراد نہیں لی جاسکتیں۔ میں کہتا ہوں دونوں صحیح ہیں۔ اس بڑی خبر

سے حضرت امیر علیہ السلام مراد ہیں۔ ع

هو النبأ العظيم و فلك نوح

اور اس سے بھی بڑی قیامت ہے۔ لہٰذا یہ بھی مراد ہے اور وہ بھی۔ و لا تضاد بینهما كما لا يخفىٰ

سوال نمبر ۴: آپ نے سعادۃ الدارین میں لکھا ہے کہ محمد بن حنفیہ کے علاوہ اولاد ابوطالب سے کوئی مدینہ میں نہیں رہ گیا۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار بھی امام کے ساتھ شامل نہیں تھے۔

الجواب باسمہ سبحانہ: سعادۃ الدارین کی عبارت نقل کرنے میں آپ نے دیانت داری سے کام نہیں لیا، ورنہ آپ اس کتاب باب ۱۵ صفحہ ۱۹۳ سطر ۹ پر آپ کو یہ عبارت نظر آ جاتی: حضرت ابوطالب کی قریباً تمام اولاد ذکور و اناث وا... ہمراہ لیا جس میں سوائے جناب محمد بن حنفیہ اور بعض دوسرے افراد کے۔۔۔۔ بھلا ان دوسرے بعض افراد سے اگر جناب عبداللہ بن جعفر مراد نہیں ہیں تو اور کون مراد ہے؟ ع

شکوہ بے جا بھی کرے تو لازم ہے شعور

سوال نمبر ۵: حضرت فاطمہ صغریٰ کے متعلق بحث میں یا حضرت قاسم کے ازدواج کی تفصیل میں ایک روایت ظاہر کرتی ہے کہ امام کی تین بیٹیاں تھیں لیکن آپ نے اس سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ امام کی صرف دو بیٹیاں تھیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: میں ہر روایت کی صحت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ میں نے سعادت الدارین کے باب ۶ میں جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ازواج اور اولاد کا تذکرہ کیا ہے کتب معتبرہ سے ثابت کیا ہے کہ امام کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ یعنی جناب فاطمہ اور سکینہ اور حاشیہ پر مستند و معتبر کتابوں کا حوالہ موجود ہے۔ پھر ایراد کیا ہے؟

سوال نمبر ۶: آپ نے تجلیات صداقت میں تحریر کیا ہے کہ ذکر علی عبادۃ اور تشہد میں شہادت ثالثہ کے عدم جواز کے قائل مجتہدین عظام فرماتے ہیں تشہد میں ذکر خدا، دعا اور قرآن کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ جائز نہیں ہے۔ جب ذکر علی عبادت ہے تو شہادت ولایت علی سے نماز باطل کیسے قرار پاتی ہے؟ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ تشہد کی کم از کم مقدار شہادتین کا اقرار ہے، اضافہ کی حد بندی نہیں ہے، جبھی تو لمبے اور ایک دوسرے سے مختلف تشہد احادیث اور مجتہدین کی توضیح میں ملتے ہیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: بے شک ذکر علی عبادت ہے۔ مگر کچھ مقدمات ترتیب دینے اور کچھ صغرے کبرے ملانے سے۔ جیسا کہ خود آپ نے اپنے خط میں ذیلی حاشیہ پر لکھا ہے کہ ذکر علی ذکر رسول ہے اور ذکر رسول ذکر خدا ہے۔ لیکن فقہاء کرام نماز میں جس ذکر خدا کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں وہ ذکر خدا اور ہے یعنی جو براہ راست ذکر خدا ہو، جیسے اللہ اکبر، الحمدللہ، سبحان اللہ وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ بریں آپ کا یہ کہنا بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ اضافہ کی کوئی حد بندی نہیں ہے۔ صرف ان مستحبی اجزاء کا اضافہ کیا جا سکتا ہے جو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام سے منقول ہوں۔۔۔۔۔ اور مختلف

تشہد احادیث اور مجتہدین کی توضیحات میں ملتے ہیں وہ سرکار معصومینؑ سے منقول ہیں اپنی طرف سے ایک رائی کے دانہ کے برابر اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔

باقی رہا آپ کا یہ جذباتی فقرہ کہ شہادت ولایت علی سے نماز باطل کیسے قرار پاتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز تو ذکر خدا و ذکر رسول سے بھی باطل ہو جاتی ہے اگر بے محل کیا جائے۔ جیسے تکبیرۃ الاحرام (اللہ اکبر) دوبار کہہ دی جائے۔ یا ایک رکعت میں دو بار رکوع کر لیا جائے تو اس سے معلوم ہوگا کہ نماز اسی طرح پڑھنی چاہئے جس طرح سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے پڑھ کر دکھائی ہے۔ اس اس طرح ادا نہ کی گئی تو باطل قرار پائے گی۔ اور چونکہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے نماز کے تشہد میں شہادت ثالثہ نہیں پڑھی تو اس کے پڑھنے سے نماز باطل قرار پائے گی۔ امید ہے کہ اب اصل حقیقت سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ والحمد للہ

سوال نمبر ۷: اذان میں تیسری شہادت بدعت ہے تو سلطان المدارس میں اس کا رواج کیوں ہے؟

الجواب باسمہ سبحانہ: میں اصلاح الرسوم اور قوانین میں اذان میں شہادت ثالثہ کے بارے میں نہ لفظ بدعت کہا ہے اور نہ لفظ حرام۔ (اگرچہ ہمارے دوسرے بعض فقہاء عظام نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں جیسا کہ تبصرۃ المغموم میں تفصیل مذکور ہے) میں صرف اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ اصلی اور حقیقی اذان کونسی ہے؟ جو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے دی ہے۔ اب ڈنڈے سے منوانا میرا فریضہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی مدرسہ میری ذاتی ملکیت اور نہ ہی سب اساتذہ اور طلبہ میرے مقلد ہیں۔

سوال نمبر ۸: من لا یحضرہ الفقیہ میں نوحہ کرنے والی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے۔ اسی طرح شعر و شاعری کی مذمت کا حال ہے۔ لیکن ان کی اقسام بنائی جاتی ہیں کہ فلاں قسم کا نوحہ جائز ہے اور فلاں قسم کا ناجائز۔ اسی طرح شعر و شاعری سے متعلق ارشادات کی تشریح کی جاتی ہے۔ کیا بدعات کی مختلف اقسام نہیں ہو سکتیں۔ یعنی حسنہ و سیئہ وغیرہ۔ الخ۔

الجواب باسمہ سبحانہ: جس چیز کا نام بدعت ہے اس کی ایک ہی قسم ہے کہ وہ حرام ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوت ہے کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ سبیلھا الی النار۔ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا راستہ سیدھا جہنم کی طرف جاتا ہے۔ (حدیث متفق علیہ) باقی نوحہ اور شعر و شاعری کی آپ نے جو تذکرہ کیا ہے وہاں عموم و خصوص کا قانون کارفرما ہے۔ یعنی نوحہ اور ماتم اگر کسی اور کا کیا جائے تو ناجائز ہے اور اگر حضرت امام حسینؑ کا کیا جائے تو جائز ہے۔ اسی طرح شعر و شاعری مکروہ ہے۔ لیکن اگر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی مدح و ثنا میں شعر کہا جائے تو کار ثواب ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے۔ کل جزع و فزع قبیح الا علی الحسین۔ من انشد فینا بیتا بنی اللہ لہ فی الجنۃ بیتاً (الفصول المہمہ فی اصول الائمہ و وسائل الشیعہ وغیرہ)

سوال نمبر ۹: ولایت علیؑ اور ولایت چہاردہ معصومینؑ کا اصل مفہوم اور مدعا کیا ہے؟

باقی صفحہ ۹ پر

باب المتفرقات

قسط نمبر ۱۶

خلافت قرآن کی نظر میں

تحریر: محقق عصر مولانا سید محمد حسین زیدی برسی مدظلہ چنیوٹ

پیغمبر کو خدا کا حکم کہ امانتیں اس کے اہل کے سپرد کریں

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ جو ذمہ داریاں خدا کی طرف سے پیغمبر نے قبول کی تھیں وہ پیغمبر کے پاس خدا کی امانتیں تھیں اور جو ذمہ داریاں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی طرف سے قبول کیں تھیں ان میں سے ایک خلق خدا کی ہدایت کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ بے شک تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہو۔ ایک اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے: اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ سوائے اس کے نہیں کہ تم ڈرانے والے ہو اور ہر ایک قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے۔ پس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو ہدایت کرنے کے ذمہ دار تھے اور یہ ذمہ داری یا اصالتاً ادا ہو سکتی تھی یا نیابتاً۔ اور ان ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری مسلمانوں کے اوپر حکم چلانا ہے۔ اور خدا نے قرآنی آیات کا جو مفہوم خاص طور پر پیغمبر کو وضاحت کے ساتھ سمجھایا تھا۔ اس کے مطابق مسلمانوں کے درمیان فیصلے کرنا تھا، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

انا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك اللہ (النساء:۱۰۵)

یعنی اے پیغمبر ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ تم جس طرح خدا نے تمہیں سمجھایا ہے بتایا ہے اور دکھایا ہے اس طرح سے لوگوں پر حکم چلاؤ اور ان کے فیصلے بھی کرو۔ اور یہ وہ ذمہ داری ہے جو خداوند تعالیٰ اپنے اقتدار اعلیٰ کے نمائندوں کو ہی اپنی طرف سے سپرد کیا کرتا ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

یا داؤد انا جعلناك خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق (ص:۲۶)

یعنی اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں (طالوت بادشاہ کا) جانشین بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں پر انصاف کے ساتھ حکم چلاؤ اور حق حق فیصلے کرو۔ پس خدا نے پیغمبر اکرم کو جو ذمہ داریاں سپرد فرمائی تھیں وہ خدا کی وحی بیان کرنے کے علاوہ ایک خدائی احکام پر عمل کر کے دکھانا تھا۔ دوسرے تمام انسانوں راہ راست کی طرف ہدایت کرنا تھا۔ تیسرے خدا کی طرف سے تمام انسانوں پر حکم چلانا تھا، چوتھے خدا کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کے قضایا کے فیصلے کرنا تھا وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ تمام ذمہ داریاں جو پیغمبر نے قبول فرمائی تھیں اور خدا نے یہ ذمہ داریاں اپنے پیغمبر کے سپرد فرمائی تھیں، یہ سب کی سب

پیغمبر کے پاس خدا کی امانتیں تھیں اور انہی امانتوں کے بارے میں خدا نے اپنے پیغمبر کو یہ حکم دیا تھا کہ تم لوگوں کے اوپر حکم کرنے اور ان کے قضایا کے فیصلے کرنے کی ان امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد کر کے جانا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ۔ (النساء:۵۸)

یعنی بلا شک و شبہ خدا تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد کر دو اور جب تم لوگوں کے درمیان حکم نافذ کیا کرو اور فیصلے کیا کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ حکم اور فیصلے کیا کرو۔ سورہ النساء کی اس آیت میں یقینی طور پر خطاب انہی لوگوں سے ہے۔ جنھیں خدا نے حکم بالعدل کرنے کی امانت سپرد کی ہے اور وہ یقینی طور پر اولاً پیغمبر اکرمؐ کی ذات گرامی ہے اور پیغمبر نے ان امانتوں یعنی ہدایت کرنے، فیصلے کرنے اور حکم کرنے کی امانتوں کو انہی ہستیوں کے سپرد فرمایا تھا جو ان کی اہل تھیں ۔ اور یامرکم، تودوا، حکمتم، اور تحکموا۔ سب کے سب جمع کے صیغے ہیں۔ یعنی یہ امانتیں یکے بعد دیگرے ان ہستیوں کو سپرد ہوتی رہیں گی جو خدا کے نزدیک ان امانتوں کے اہل ہیں۔ لہٰذا ان امانتوں کو آگے سپرد کرنے کا حکم ہر اس ہستی کو ہے جس کے پاس یہ امانتیں پہنچیں۔ اور اسی لیے خداوند تعالیٰ نے اس آیت سے اگلی آیت میں اس امانت کا ذکر فرمایا ہے جس کا بوجھ تمام انسانوں نے اٹھایا تھا۔ یعنی ان پر ان لوگوں کی اطاعت بھی فرض کر دی جن کے لیے خدا نے پیغمبر کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دیں اور اس طرح خدا نے اپنی اور رسول کی اطاعت کے ساتھ ان کی اطاعت بھی فرض قرار دے دی، جن کو پیغمبر یہ امانتیں سپرد کر کے گئے تھے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۔ (النساء:۵۹)

یعنی اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اپنے رسول اور اپنے تمام والیان امر کی اطاعت کرو۔ پس اس آیت میں تمام والیان امر کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کے مانند و مثل اور ہم پلہ فرض اور واجب کی گئی ہے اور جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آیت مذکورہ کے الفاظ یامرکم، تودوا، حکمتم، اور تحکموا۔ سب کے سب جمع کے صیغے ہیں۔ اور اسی طرح اولی الامر بھی جمع کا صیغہ ہے۔ پس ہر ولی امر پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بعد آنے والے ولی امر کو یہ تمام امانتیں سپرد کر کے جائے اور یہ حکم انہی کے لیے ہے جن کے پاس یہ امانتیں ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ خدا تو اپنے پیغمبر کو یہ حکم دے کہ تمہارے پاس جو امانتیں ہیں وہ اپنے بعد اسے سپرد کر کے جائیں جو اس کا اہل ہے لیکن مسلمان مفکرین یہ پرچار کریں کہ پیغمبر نے یہ امانتیں کسی کو سپرد نہیں کیں اور ذمہ داریوں کا وہ بوجھ جو پیغمبر نے اٹھایا تھا اور قیامت تک جن کا ادا کرنا پیغمبر پر فرض تھا، ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے لیے کسی کو بھی اپنا نائب اور جانشین نہیں بنایا اور یہی بات

مسلمانوں کے سیاسی افکار کے نام سے ہماری یونیورسٹیوں کالجوں اور مدرسوں میں ہمارے بچوں کو پڑھائی جارہی ہے۔ تعجب پر تعجب یہ ہے کہ پیغمبر نے اپنے بعد فتنوں کے بارے میں اتنی پیش گوئیاں کی ہیں کہ حدیث کی کوئی بھی مستند کتاب اس کے بیان سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الفتن میں ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: میرے بعد فوراً ہی فتنے پیدا ہوجائیں گے۔ کنز العمال کتاب الفتن حدیث ۷۳۸،۵۰۲ میں ہے کہ: لوگ جس طرح دین میں گروہ درگروہ داخل ہوئے تھے اسی طرح گروہ درگروہ خارج ہوجائیں گے۔

کنزل العمال کتاب الفتن ہی کی ایک اور حدیث ہے کہ تم لوگ اپنا دین دنیا کی نہایت قلیل شے کے بدلے فروخت کردو گے۔ کتاب الفتن صحیح بخاری میں یہ حدیث بھی ہے کہ آپؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم لوگ یہود ونصاریٰ کی بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ بھر پیروی کروگے۔ ان تمام باتوں کے فرمانے کے باوجود کیا یہ ہوسکتا تھا کہ پیغمبر اتنی غفلت کرتے کہ آنکھوں دیکھتے اپنے کیے کرائے پر پانی پھیر جاتے۔ یعنی کیا پیغمبر کے لیے یہ مناسب وسزاوار تھا کہ وہ خالص ومخلص مسلمانوں کے لیے ہدایت کا کوئی انتظام نہ کرتے اور وہ عظیم ذمہ داریاں جو خدا نے پیغمبر کے سپرد کی تھیں اور جن کے ادا کرنے کا پیغمبر نے بوجھ اٹھایا تھا وہ امانتیں خدا کے حکم کے باوجود اس کے اہل کے سپرد کر کے نہ جاتے اور ساری امت کو فتنوں کے گرداب بلا میں مبتلا چھوڑ کر چلے جاتے۔ یقیناً پیغمبر نے تو یہ امانتیں اس کے اہل کے سپرد کردی تھیں لیکن مسلمانوں نے خود حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے پیغمبر کو خدا کا حکم نہ ماننے کا ملزم اور اس کی امانتیں اس کے حکم کے باوجود اس کے اہل کے سپرد نہ کرنے کا مجرم بنادیا اور اطاعت کی وہ امانت جو خدا نے مسلمانوں کے سپرد کی تھی اس کا انکار کر کے خود خدا کے خلیفہ بن بیٹھے۔

کیا آیات شوریٰ خلافت کے تقرر پر دلالت کرتی ہیں؟

مسلمانوں نے جہاں خود خلیفہ بننے کے لیے قرآنی الفاظ خلیفہ، خلائف، خلفاء اور یستخلف سے ہر انسان کو خدا کا خلیفہ بنایا اور قرآنی آیت انا عرضنا الامانۃ میں واقع لفظ امانت سے ہر انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دیا۔ اسی طرح قرآن میں واقع آیات شوریٰ کو بھی اپنے مطلب پر دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ لہذا آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ کیا واقعاً آیات شوریٰ خلیفہ کے تقرر پر دلالت کرتی ہیں۔ اگرچہ پیغمبر کے بعد سے لے کر ۱۹۲۴ء تک تمام مسلمان بادشاہ خود کو خلیفہ ہی کہلاتے رہے لیکن جب ۱۹۲۴ء میں مصطفےٰ کمال پاشا نے عبدالمجید کا تختہ الٹ کر خلافت کا خاتمہ کردیا تو مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اسلام میں بادشاہت نہیں ہے اور خلیفہ کے تقرر کے لیے آیات شوریٰ کا سہارا لینے لگے۔ چونکہ مسلمانوں کی پہلی قائم ہونے والی حکومت کے طرفداروں نے خلافت کو بعد میں ایک منصب قرار دے لیا اور یہ عقیدہ بنا لیا جیسے کہ خلیفہ کسی منصب یا عہدہ کا نام ہے، لہذا انھوں نے پہلے تو خلافت کو ایک منصب اور ایک عہدہ ثابت کرنے کے لیے قرآنی آیات کو اپنے عقیدہ کے ماتحت لاکر

انھیں اپنے مطلب پر چپکایا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جیسے کہ خلافت، حکمران، صاحب اقتدار اور فرمانروا کے عہدہ اور منصب کا نام ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں کی قائم کردہ حکومت کا کوئی بھی فرمانروا خدا و رسول کا مقرر کردہ نہ تھا لہٰذا پھر یہ بات بنائی کہ پیغمبرؐ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، بلکہ مسلم معاشرے کے لوگوں نے خود یہ جان لیا کہ اسلام ایک شوریٰ خلافت کا تقاضا کرتا ہے۔ خلافت وملوکیت صفحہ ۸۳، اور جب یہ عقیدہ بنا لیا کہ اسلام ایک شوریٰ خلافت کا تقاضا کرتا ہے تو پھر اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے قرآنی آیات کو اپنے عقیدہ کے ماتحت لا کر انھیں اپنے مطلب پر چپکانے کی کوشش کی اور قرآن کریم کی آیات کے اپنے عقیدہ و او رمنشاء کے مطابق معنی نکال لیے۔ چنانچہ مولانا مودودی اپنے کتاب خلافت وملوکیت میں لکھتے ہیں: اس ریاست کا پانچواں اہم قاعدہ یہ تھا کہ سربراہ ریاست مسلمانوں کے مشورہ اور ان کی رضامندی سے مقرر ہونا چاہیے۔ خلافت وملوکیت صفحہ ۶۹، اور اس کے ثبوت میں انھوں نے قرآن کریم کی دو آیات کو پیش کیا ہے۔

☆ امرھم شوری بینھم (الشوریٰ:۳۸)
اور مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورہ سے چلتے ہیں۔

☆ وشاورھم فی الامر (آل عمران: ۱۰۹)
اور اے نبیؐ ان سے معاملات میں مشاورت کرو۔

قرآن کریم میں وارد ان دونوں آیات میں لفظ امر کا معنی ہرگز ہرگز خلافت یا سربراہ مملکت اسلامی نہیں ہے۔ سیاق وسباق کلام واضح طور پر بتا رہا ہے کہ یہاں پر امر کے معنی کام بات یا معاملہ کے ہیں۔ اسی لیے خود مولانا مودودی نے بھی امرھم کا ترجمہ مسلمانوں کے معاملات اور شاورھم کا ترجمہ ان سے معاملات میں مشاورت کرو کیا ہے۔ اور امرھم میں ھم کی ضمیر خود اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمانوں کا یہ مشورہ خود ان کے اپنے کاموں اور معاملات کے لیے ہوتا ہے لیکن حکومت کے بارے میں تو مولانا مودودی سمیت سب کے سب مسلمان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت خدا کا کام ہے اور حکومت میں خدا کے ساتھ کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ دراصل اس آیت سے پہلے مومنین کی کچھ صفات کی تعریف کی گئی ہے۔ لہٰذا اس آیت میں مشورہ کی اہمیت واضح کرتے ہوئے مسلمانوں کی اس صفت کی تعریف کی گئی ہے کہ جب وہ کوئی کام کرتے ہیں تو وہ اس کام کو کرنے سے پہلے آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ کر لیتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کے تجربے اور مشاہدے سے استفادہ کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت ہرگز ہرگز ان کے مدعا کو ثابت نہیں کرتی۔ اور دوسری آیت تو نہ صرف ان کے مدعا کو ثابت نہیں کرتی بلکہ سراسر ان کے مدعا کے خلاف ہے اور اس کے سمجھنے کے لیے کچھ تفصیل کی ضرورت ہے، جو اس طرح ہے کہ یہ آیت جنگ احد کے بارے میں نازل شدہ آیات کے سلسلہ کی ایک آیت ہے۔ لہٰذا ہم اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے جنگ احد کے سلسلہ میں نازل شدہ آیات اور کچھ واقعات کو مختصر طور پر یہاں پیش کرتے ہیں۔

جنگ بدر کا بدلہ جنگ احد

جنگ احد کا اصل سبب، جنگ بدر میں کفار قریش کا شکست کھانے کے بعد انتقام لینے کا جذبہ تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے بدر کی شکست کا انتقام لینے کے لیے ۱۲ شوال ۳ ھ بروز بدھ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ کے شمال میں پڑاؤ ڈال دیا۔ تاریخ الخمیس ج۔۔ صفحہ ۴۳۱۔ پیغمبر نے مہاجر و انصار کو دفاع کے سلسلہ میں مشورہ کرنے کے لیے اکٹھا کیا جس پر دو رائیں سامنے آئیں۔ ☆ یہ کہ گھروں میں بیٹھ کر لڑا جائے مرد گلیوں میں دست بدست لڑائی لڑیں اور عورتیں چھتوں کے اوپر سے سنگ باری کریں۔ اس نظریہ کو چونکہ عبداللہ بن اُبی رئیس منافقین نے پیش کیا تھا، لہذا اس نے اس بات پر بہت اصرار کیا۔ ☆ یہ کہ مجاہدین مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کریں۔ اس رائے کو انصار کے جوانوں کی تائید حاصل تھی اور مہاجرین میں سے حضرت حمزہ اس رائے کی تائید کرنے میں پیش پیش تھے۔ آخرکار پیغمبرؐ نے دوسری رائے کو اختیار کیا۔ آپ گھر میں تشریف لے گئے، زرہ پہنی، تلوار حمائل کی، سپر پشت پر ڈالی اور کمان کاندھے پر لٹکائی اور نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے گھر سے برآمد ہوئے۔ پیغمبر ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے باہر آئے۔ جن میں رئیس منافقین عبداللہ بن اُبی بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پیغمبر کے ہم رکاب میدان کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن مدینہ اور اُحد کے درمیان ایک باغستان کے پاس ایک مقام پر پہنچ کر جس کا نام بواط تھا عبداللہ بن اُبی تین سو منافقین کے ساتھ پیغمبرؐ کے لشکر سے جدا ہو کر مدینہ کی طرف لوٹ گیا۔ عبداللہ بن جبیر رئیس خزرج نے اسے بہت نصیحت کی اور ساتھ چھوڑ کر جانے سے منع کیا۔ لیکن اس نے یہ بہانہ بنا کر کہ پیغمبرؐ نے دوسروں کی رائے کو اس کی رائے پر مقدم رکھا ہے جہاد میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔

(سیرۃ حلبی جلد ۲ صفحہ ۲۲۳، تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۲۲۳)

عبداللہ بن جبیر نے بہت سمجھایا کہ وہ لشکر اسلام سے جدا نہ ہو اور اگر جنگ نہیں کرتے تو دفاع ہی کرتے رہنا۔ لیکن اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ کوئی جنگ نہیں ہوگی اور اگر جنگ چھڑ گئی تو پھر ہم تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ قرآن نے منافقین کے رئیس عبداللہ بن اُبی کی رئیس خزرج عبداللہ بن جبیر کے ساتھ گفتگو کی طرف اس طرح سے اشارہ دیا ہے:

و قیل لہم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا قالوا لو نعلم قتالا لاتبعناکم ہم للکفر یومئذ اقرب منہم للایمان یقولون بافواہہم ما لیس فی قلوبہم و اللہ اعلم بما یکتمون۔ (آل عمران: ۱۶۷)

اور (منافقوں سے) کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یا (اگر لڑنا نہیں چاہتے تو ہمارے ساتھ رہ کر) دفاع ہی کرو، تو انھوں نے کہا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوا کہ لڑائی چھڑ گئی ہے تو ہم بھی تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ وہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبان سے وہ بات کہتے تھے جو ان کے دل میں نہیں تھی، اور جو کچھ انھوں نے دل میں چھپایا ہوا تھا خدا اس سے آگاہ ہے۔

عبداللہ بن ابی کے تین سو منافقین کے ساتھ واپس لوٹ جانے کے بعد پیغمبرؐ کے ساتھ صرف سات سو افراد باقی رہ گئے اور یہ منافقین سے پاک خالص اسلامی لشکر تھا۔

لشکر اسلام میں اختلاف

عبداللہ بن اُبی کے لوٹ جانے کے بعد لشکر اسلام میں ایک خطرناک اختلاف پیدا ہوگیا۔ قبیلہ اوس کا ایک خاندان بنوحارثہ اور قبیلہ خزرج کا ایک خاندان بنو سلمہ آپس میں الجھ پڑے۔ ایک نے کہا پہلے ہم اس داخلی دشمن سے جنگ کریں گے اور اس سے نمٹیں گے، دوسرا گروہ عبداللہ بن اُبی کا ہم قبیلہ ہونے کی وجہ سے اس کی حمایت کے لیے کھڑا ہوگیا۔ قرآن کریم نے منافقین کے بارے میں لشکر اسلام کے دو گروہوں میں بٹ جانے کو اس طرح بیان کیا ہے:

فما لکم فی المنافقین فئتین و اللہ ارکسھم بما کسبوا اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ و من یضلل اللہ فلن تجدلہ سبیلا۔ (النساء:۸۸)

تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو، حالانکہ اللہ نے ان کو ان کے افعال کے سبب سے الٹ دیا ہے، کیا تم یہ ارادہ رکھتے ہو کہ خدا نے جس سے توفیق ہدایت سلب کر لی ہے تم اسے راہ راست پر لے آؤ گے، اور خدا جس سے توفیق ہدایت سلب کر لیتا ہے تم اس کے لیے ہرگز کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔

منافقین کے رئیس عبداللہ بن اُبیّ کے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ جانے نے لشکر اسلام پر بہت برا اثر ڈالا۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہی واپس نہیں لوٹا بلکہ دوسروں کو بھی واپس لوٹ جانے کی دعوت دینے لگا۔ چنانچہ دو گروہ اور بھی راستہ سے ہی لشکر اسلام سے جدا ہونے پر پر تولنے لگے۔ قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے:

اذ ھمت طائفتان منکم ان تفشلا و اللہ و لیھما و علی اللہ فلیتوکل المومنون۔ (آل عمران: ۱۲۲)

اس وقت کو یاد کرو جب تم ہی میں سے دو گروہ اور پھسل گئے اور انھوں نے سستی دکھانے (اور راستہ سے لوٹ جانے) کا ارادہ کر لیا۔ لیکن خدا نے ان کی مدد کی اور اہل ایمان کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

آخر کار پیغمبرؐ سات سو افراد کے ساتھ احد کے میدان میں وارد ہوئے اور حساس ترین لمحات میں سخت ترین جنگ سے روبرو ہوئے۔ (تاریخ خمیس جلد۱ صفحہ ۴۲۲)

(باقی آئندہ)

باب المتفرقات

ماہنامہ حوزہ قم المقدس کے لیے

حضرت علامہ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی کے انٹرویو کا ترجمہ

س: آپ کتنا عرصہ حوزہ علمیہ نجف اشرف میں قیام پذیر رہے ہیں اور وہاں کے علماء اعلام سے کس قدر علمی و عملی استفادہ کیا؟

ج: اگر مدت کو دیکھا جائے تو وہ تو بہت قلیل ہے۔ یعنی صرف چھ سال (اور کچھ ماہ) لیکن اگر عدہ (حاصل و محصول) کو دیکھا جائے تو وہ بہت زیادہ ہے۔ والحمدللہ یہی وجہ ہے کہ بارہا مجھ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آپ نے اس قدر قلیل عرصہ میں یہ سب کچھ کس طرح حاصل کرلیا۔ اور علماء اعلام سے اجازہ جات بھی حاصل کرلیے؟

میرے محترم بات دراصل یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو کام وہ نہیں کرسکتا وہ کام دوسرے بھی نہیں کرسکتے۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ جس شخص کا قیام کسی حوزہ علمیہ میں زیادہ ہوتا ہے اس کے تحصیلات بھی زیادہ ہوتے ہیں اور جس شخص کا قیام مختصر ہوتا ہے اس کا سرمایہ علمی بھی کم ہوتا ہے اور یہی بات غلطی کی بنیاد ہے۔ یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ فلاں شخص حوزہ علمیہ کتنا عرصہ رہا، بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے وقت کی قدر کس قدر کی اور شب و روز ایک کرکے اور جدوجہد کرکے استفادہ کس قدر کیا؟ نیز یہ بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ وہ شخص اپنے وطن سے کس طرح پڑھ کر حوزہ میں آیا؟ ایک شخص کم و بیش بیس سال تک کسی حوزہ میں رہتا ہے مگر ذہنی افلاس یا محنت نہ کرنے کی وجہ سے کچھ حاصل نہیں کرپاتا اور دوسرا شخص قلیل مدت ذہنی استعداد اور ذاتی جدوجہد سے کم مدت میں وہ کچھ حاصل کرلیتا ہے جو دوسرے سالہا سال تک حاصل نہیں کرسکتے۔ یا ایک شخص اپنے ملک سے بالکل ابتدائی کتابیں پڑھ کر حوزہ میں آگیا اور سالہا سال تک سطحیات پڑھتا رہتا ہے اور دوسرا تمام سطحیات اپنے ملک میں ختم کرکے آتا ہے اور حوزہ میں پہنچ کر جلد ہی درس خارج شروع کردیتا ہے۔ چنانچہ میرا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ میں ادبی علوم از قسم صرف و نحو اور معانی و بیان اور منطق و فلسفہ وغیرہ اور شرح لمعہ تک فقہ اور معالم الاصول وغیرہ تک اصول فقہ اپنے ملک میں پڑھ کر گیا تھا۔ اور پھر وقت کی قدر دانی اور جدوجہد کا یہ عالم تھا کہ میں نجف اشرف کے دوران قیام دس دس درس پڑھتا تھا اور طلبہ کو پڑھاتا بھی تھا۔ اسی بنا پر میرے شفیق اور محترم استاد حضرت آیت اللہ السید جواد تبریزی نے مجھے درس کم کرنے کی ہدایت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ نجف اشرف کی فضا و ہوا خشک ہے۔ یہاں اتنی محنت نہیں کرنی چاہیے۔ اور پھر ایران کا یہ مقولہ بھی سنایا کہ وہ کہتے ہیں

کہ ایک درس کم ہے اور دو زیادہ ہیں لہٰذا معاملہ ان کے بین بین رہنا چاہیے۔ بہر حال یہ خالق اکبر کا خاص احسان ہے کہ جس چیز کو عام لوگ ناممکن سمجھتے تھے میں نے اللہ کے فضل وکرم اور ذاتی کدوکاوش سے اسے ممکن کر دکھایا۔ سچ ہے: ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

یعنی ع

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

س: آپ وضاحت فرمائیں کہ آپ نے حوزہ علمیہ نجف اشرف میں کن کن اساتذہ اور اساطین سے استفادہ کیا۔ یعنی درس خارج کن حضرات سے لیا۔ اور یہ بھی فرمائیں کہ اتنی قلیل مدت میں ایک شخص باب الطہارت سے لے کر باب الدیات تک اصول سے فروع کے استنباط کرنے کی اہلیت پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے تو مدت دراز درکار ہے۔

ج: میں اصول فقہ اور فقہ دونوں کا درس خارج اپنے استاد محترم آیت اللہ آقائے السید جواد تبریزی اور آیت اللہ جناب آقائے مرزا محمد باقر زنجانی سے حاصل کیا۔ اور فقہ کا خارج سرکار آیت اللہ السید محسن الحکیم اور آیت اللہ السید محمود الشاہرودی اور آیت اللہ عبدالاعلیٰ السبزواری سے حاصل کیا۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے فقہی کتابوں کے تمام ابواب از طہارت تا دیات استادان فن سے بطور درس خارج پڑھے تو اس کے لیے عمر نوح درکار ہے۔ اتنی فرصت کہاں؟ اس لیے درس خارج حاصل کرنے سے میرا مطمح نظر یہ تھا کہ فقہاء کرام کے طریقہ استنباط کو معلوم کیا جائے کہ اصول سے فروع کے استنباط کرنے کا طریقہ کار کیا ہے۔ سو میں نے وہ طریقہ تھوڑے سے عرصہ میں معلوم کر لیا۔ مثلاً میں مجتہد اعظم سرکار آیت اللہ الحکیم کے فقہ کے درس خارج میں جاتا تھا، وہ ان دنوں العروۃ الوثقیٰ کی شرح بنام مستمسک العروہ لکھ رہے تھے۔ اور ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ جو حصہ رات کو لکھتے تھے اس پر صبح درس خارج دیتے تھے اور رات اس موضوع پر متعلقہ کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا۔ مثلاً جواہر الکلام اور حدائق ناضرہ وغیرہ اور درس میں جرح و قدح ہوتی تھی ایرادات و جوابات ہوتے تھے اس لئے مطلب نہایت منقح ہو جاتا تھا۔ بہر حال تھوڑے ہی عرصہ میں مجھ پر یہ راز کھل گیا کہ مذہب شیعہ خیر البریہ میں استنباط احکام کا طریقہ کار یہ ہے کہ ہر ہر مسئلہ میں پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جائے کہ کتاب اللہ کیا کہتی ہے اور وہ بھی وارثان علم قرآن کے برہان وکلام کی روشنی میں اور اس کے بعد سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی احادیث شریفہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر متقدمین ومتاخرین فقہاء شیعہ کے فتاویٰ کو دیکھا جائے اور مزید برآں عقلی مسلمات کے میزان پر تولا جائے، تا کہ استنباط احکام میں نہ قرآن کی مخالفت لازم آئے، نہ فتویٰ آل محمدؐ کے فرمان سے ٹکرائے اور نہ اجماع و اتفاق کی مخالفت لازم آئے۔ اور نہ ہی عقلی مسلمات کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا جائے۔ اور پھر کتب احادیث میں سے کتب اربعہ کافی ہیں۔ اور وہ نہ مل سکیں

تو وافی ملا فیض سے کام چلایا جاسکتا ہے۔ مگر کتب اربعہ کے ساتھ اگر وسائل الشیعہ کو بھی زیر مطالعہ رکھا جائے تو بھی بہتر ہے۔ بلکہ اب جب کہ مستدرک الوسائل محدث نوری شائع ہوچکی ہے تو اسے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور جب ایک مجتہد ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھ کر استنباط احکام کرتا ہے تو اس نے تحقیق حق کا حق ادا کر دیا ہے۔ و لا یکلف اللہ نفسا الا دون وسعہا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ملکہ استنباط عطیہ الٰہی ہے۔ یوتیہ من یشاء۔

تفتازانی نے مطول میں لکھا ہے کہ ایک شخص سارا علم معانی و بیان پڑھ جاتا ہے۔ لیکن لا یقدر علی تالیف جملۃ فصیحۃ وہ ایک فصیح جملہ ادا کرنے پر قادر نہیں ہوتا جبکہ ایک دوسرا شخص ہے جو یہ علم پڑھا ہی نہیں ہے مگر وہ فصیح و بلیغ کلام کرتا ہے یا ایک شخص سارا علم عروض وقوافی پڑھا ہوا ہے مگر ایک شعر بھی نہیں کہہ سکتا اور ایک دوسرا شخص جو اس علم سے بالکل بے بہرہ ہے مگر وہ شعر کہہ سکتا ہے۔ بقول کسے ؎

من ندانم فاعلات فاعلات
شعر می گویم بہ از قند ونبات

لہٰذا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

بہرحال جب میرے اساتذہ نے یہ محسوس کیا کہ میرے اندر یہ ملکہ پیدا ہوگیا ہے تو انھوں نے مجھے اجازہ ہائے اجتہاد سے نوازا اور میں مظفر و منصور اور کامیاب وکامران ہوکر اپنے وطن مالوف پاکستان لوٹا۔ و الحمدللہ۔ اور اپنی بساط واستعداد کے مطابق درس و تدریس، تقریر وتحریر اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ ملک، قوم اور ملت کی خدمت کر رہا ہوں۔ والحمدللہ رب العالمین۔

س: آپ نجف اشرف کے قیام کے دوران مخصوص اساتذہ کے علاوہ بھی کچھ اہل علم سے میل ملاقات کرتے تھے اور پڑھنے پڑھانے کے علاوہ کچھ تصنیف وتالیف پر بھی کچھ کام کیا؟۔

ج: ہاں میں وقت کی قدر کرتا تھا اور ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا تھا۔ درس وتدریس سے جب بھی فراغت ملتی تو وہاں کے علماء اعلام اور فضلائے جسام کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے علمی استفادہ کرتا تھا۔ منجملہ ان علماء اعلام کے ایک برجستہ شخصیت حضرت آیت اللہ آقائے شیخ عبدالکریم زنجانی کی تھی جو کہ آقائے کاشف الغطاء کے بعد ایک بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے اور معلومات کی ایک چلتی پھرتی لائبریری تھے۔ ان سے مختلف موضوعات پر سیر حاصل اور تسلی بخش گفتگو ہوتی تھی اور علمی تبصرے ہوتے تھے، منجملہ ان کے آیت اللہ امینی صاحب الغدیر تھے جن کی خدمت میں حاضری دی جاتی تھی اور اسلامی اختلافی موضوعات پر ان سے مفصل گفتگو ہوتی تھی اور تبادلہ خیالات ہوتا تھا۔ اسی طرح آقائے فاضل سے راہ ورسم بھی تھی۔ اور ان سے مختلف مسائل پر بحث وتمحیص ہوتی تھی۔۔۔ اور اسی اثنا میں محدث نوری کی لولو والمرجان کے ترجمہ کے علاوہ دو اہم موضوعات پر دو کتابیں بھی لکھیں۔

☆ ایک حدیث ثقلین کے موضوع پر جس کا نام

ہے۔ تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین۔

☆ اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار الی ضوء العقل والآیات والاخبار۔ جب عام لوگ سوتے تھے تو میں بعونہ تعالیٰ لالٹین کی روشنی میں یہ کتابیں لکھتا تھا جن پر علماء عراق کی تقاریظ موجود ہیں اور سرکار آقائے بزرگ طہرانی کی الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔

س: آپ نے اپنے اساتذہ کرام کے نام بتائے ہیں، آپ ہمیں یہ بھی بتائیں کہ ان سب میں سے بڑا عالم وفاضل کون بزرگ تھا؟ آپ کس سے زیادہ متاثر ہوئے اور کس نے آپ کے ملکۂ استنباط پیدا کرنے میں زیادہ کردار ادا کیا؟

ج: کسی شخص نے حضرت امیرالمؤمنینؑ سے سوال کیا تھا کہ من اشعر الشعراء سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ آپؑ نے جواب میں فرمایا شعراء نے ایک ہی میدان میں طبع آزمائی نہیں کی، بلکہ مختلف میدانوں میں سخن رانی کی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے۔ یہی حال میرے اساتذہ کا ہے۔ کوئی کسی فن میں زیادہ ماہر ہے اور کوئی کسی فن میں۔ اگرچہ خداوند عالم نے ابتدائے کائنات سے لے کر آج تک کوئی بھی دو چیزیں برابر پیدا نہیں کیں۔ نہ نبی برابر، نہ دو وصی برابر۔ دو مؤمن برابر نہ دو بے ایمان برابر۔ نہ دو مسلمان برابر نہ دو کافر برابر۔ نہ دو عقلمند برابر اور نہ دو احمق برابر۔ بلکہ سب میں فرق مراتب و مدارج ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض۔ مگر میں اپنے واجب الاحترام اساتذہ میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی جرأت و جسارت نہیں کرسکتا۔ معذرت خواہ ہوں۔ ؏

وَ الْعُذْرُ عِنْدَ کِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ

س: آپ اخلاقی نقطۂ نگاہ سے ہمیں اور آنے والی نسلوں کو بتائیں گے کہ اخلاق و اطوار کے لحاظ سے آپ نے اپنے اساتذہ کو کیسے پایا اور ان کے اخلاق و اطوار نے آپ کی شخصیت سازی میں کیا اثر کیا؟

ج: جیسے ہمارے اساتذہ اخلاقِ عالیہ کے مالک تھے اس کی آج نظیر نظر نہیں آتی۔ اتنا کوئی شفیق باپ اپنی اولاد کے ساتھ اتنی شفقت نہیں کرتا جتنی شفقت وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ کرتے تھے۔ اور تلامذہ کی پڑھائی اور تعلیم و تربیت میں روز بروز اضافہ ہوتا تھا۔ آج کل استاذی و شاگردی کا رشتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ نہ شاگردوں کے اندر استاد کے احترام کا کوئی جذبہ ہے اور نہ ہی استادوں میں وہ شفقت و ہمدردی کا جذبہ ہے۔ بقول شاعر ؎

اک دور تھا کہ خدمتِ اُستاد کے عوض
دِل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجیے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجیے

نہ استاد شاگرد کو پہچانتا ہے اور نہ شاگرد استاد کو جانتا پہچانتا ہے۔ جن اساتذہ کرام سے ہم نے حوزہ علمیہ نجف اشرف میں استفادہ کیا وہ اپنے شاگردوں سے ذرہ ذرہ باتیں پوچھتے تھے۔ تم کہاں سے آئے ہو؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ کیسے دن گزر رہے ہیں۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔ خاص طور پر مجھ پر اس

قدر مہربانی کرتے تھے اور بزرگانہ شفقت کا اظہار کرتے تھے کہ میں شرمندہ ہوتا تھا۔ حد ہوگئی کہ جب ان کی خدمت میں کبھی حاضر ہوتا تھا تو وہ بسروقامت اٹھ کر استقبال کرتے تھے اور پھر توجہ سے مزاج پرسی کرتے اور اپنی مصروفیات اور دیگر اشغال کے بارے میں سوال کرتے۔ درس کے دوران اگر میں کوئی سوال یا اشکال کرتا تو وہ ناخوش نہیں ہوتے تھے بلکہ خوشی کا اظہار کرتے تھے کہ ان کی بات سمجھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اشکال برائے اشکال نہیں ہے کیونکہ بقول میرداماد علیہ الرحمہ: فہمیدن کلام ما ہنر است نہ کہ بر ما ایراد نمودن۔ ہمارے کلام کا مطلب سمجھنا تمہارے لیے ہنر و کمال ہے، نہ کہ ہمارے اوپر اعتراض کرنا۔ بڑے قلبی دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نہ ایسے مشفق و مہربان اساتذہ نظر آتے ہیں اور نہ ہی ویسے وفادار و خدمت گزار شاگرد دکھائی دیتے ہیں۔ ع

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی
نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

دعا ہے کہ خدا ہمارے حال زار پر رحم فرمائے۔

فقہ کے معنی عربی زبان میں فہم اور سمجھ کے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لکن لا تفقھون تسبیحھم ۔کائنات کی ہر شے تسبیح پروردگار کر رہی ہے لیکن تمھیں ان کی تسبیح کا فقہ و فہم نہیں ہے۔

علماء کی اصطلاح میں فقہ دین کے مسائل کے تفصیلی اور استدلالی علم کا نام ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں: فقہ اکبر جسے آج کی زبان میں علم کلام کہا جاتا ہے اور فقہ اصغر جسے علم فقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے علم فقہ اسلام کے فروعی احکام کے تفصیلی دلائل کو جاننے کا نام ہے اور فقہ عرف عام میں انھیں احکام کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔

فقهی مدارك

اسلام کے مکاتب فقہ میں دو بنیادیں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں، ایک کتاب خدا اور ایک سنت رسول کہ انھیں کسی نہ کسی شکل میں ہر مسلمان نے احکام کا مدرک تسلیم کیا ہے۔ قرآن کی تفصیل و تاویل میں لاکھ اختلاف ہوں سنت کی تعبیر و تشریح میں کسی قدر اختلاف کیوں نہ ہوں لیکن کتاب و سنت مدرک احکام ہیں، اس کے بعد بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ کتاب و سنت میں نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے۔

ایسے مسائل بے شمار ہو سکتے ہیں، اس لیے کہ حضور سرور کائناتؐ کے دور میں زندگی محدود اور سادہ تھی، اس وقت اس قدر پیچیدہ مسائل پیدا نہیں ہوئے تھے۔ آپ کے بعد فتوحات اور توسیع دائرہ حکومت کے زیر اثر اور دیگر اقوام سے اختلاط کے نتیجے میں بے شمار مسائل پیدا ہو گئے اور زندگی کا انداز بالکل تبدیل ہو گیا۔اب سوال یہ ہے کہ ان مسائل کا حل کیا ہوگا اور اس کے بارے میں کیا قانون بنایا جائے گا؟

اس سلسلے میں ایک مدرسہ فکر یہ ہے کہ سرور کائنات کو ان حالات کا علم تھا اور آپ جانتے تھے کہ امت میں ایسے مسائل پیدا ہوں گے اور امت کو ان مسائل کے حل کی ضرورت پڑے گی۔ اسی لیے آپ نے جاتے جاتے امت کو قرآن اور اہل بیتؑ موجود رہیں اور پروردگار نے اہل بیتؑ کے سلسلہ کو دائمی اور ابدی بنا دیا کہ کوئی دور ایسا نہ آئے جب مسائل پیدا ہوں اور حلال مسائل نہ ہوں، مشکلات ہوں اور کوئی مشکل کشا نہ ہو۔

لیکن دوسرے مکتب فکر نے اس راستہ کو اختیار نہیں کیا اور حضورؐ کے سامنے حسبنا کتاب اللہ کہہ کر اپنے کو اہل بیت سے الگ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حسبنا کام نہ آیا اور ایسے مسائل پیدا ہو گئے جن کا حل قرآن

مجید بلکہ سنت پیغمبرؐ میں بھی نہیں مل سکا۔ ایسے وقت میں تمام لوگ مجبور ہوئے کہ قیاس کا دامن پکڑا جائے اور اپنی عقل کے سہارے احکام سازی کا کام شروع کیا جائے۔

مولانا شبلی نے اس طرز عمل کو امت اسلامیہ پر حضرت عمر کا بہت بڑا احسان قرار دیا ہے کہ انہوں نے اس راستہ کی طرف راہنمائی کر دی، ورنہ امت کے پاس مسائل کا کوئی حل نہ ہوتا اور سچی بات یہ ہے کہ یہ کام انہی کو کرنا بھی چاہیے تھا، اس لیے کہ حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بھی انہوں نے دیا تھا، اور اہل بیتؑ سے کنارہ کشی کی بنیاد بھی انہوں نے ڈالی تھی۔

فرق یہ ہے کہ مدینہ میں مدرسۂ قیاس زیادہ کامیاب نہ ہو سکا کہ وہاں کی زندگی پھر بھی سادہ تھی اور مسائل زیادہ نہ تھے، وہاں کے لوگوں نے زیادہ کام احادیث سے چلایا اور وہاں کے مدرسہ کو اہل حدیث کا مدرسہ کہا گیا۔ اس کے برخلاف عراق کے مسائل عجم کی فتوحات کی بنا پر بے حد پیچیدہ ہو گئے تھے اور وہاں قیاس کی بے حد ضرورت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عراق کا مدرسۂ فکر مدرسۂ رائے وقیاس ہو گیا۔ ادھر حکومتوں کی کشمکش کا بھی آغاز ہو گیا۔ بنی امیہ اور بنی عباس کی جنگ نے قومیت کا روپ دھار لیا۔

بنی امیہ کی پشت پر عرب رہے اور بنی عباس کی حمایت عجم نے کی اور اہل حدیث واہل قیاس کا جھگڑا حجاز و عراق میں تبدیل ہو گیا۔ حجاز اہل حدیث کے ہاتھوں میں چلا گیا اور عراق اہل قیاس کے ہاتھوں میں آ گیا۔ امام مالک کو اہل حدیث کا امام کہا جانے لگا اور امام ابو حنیفہ کو اہل قیاس کا امام مان دیا گیا۔ حالانکہ علماء کے اعداد وشمار کے مطابق امام مالک کے یہاں قیاس کی مقدار امام ابو حنیفہ سے بھی زیادہ ہے لیکن سیاسی تقسیم میں وہ حجاز کے حصہ میں آئے اور یہ عراق کے حصے میں آ گئے۔

ایک ایسے معرکہ آراء دور میں جب اہل حدیث اور اہل قیاس بنی امیہ و بنی عباس اور حجاز و عراق کی جنگ چل رہی تھی امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک تیسری آواز بلند کی اور امت کو ایک نئے راستہ کی ہدایت کی۔ اسی راستہ کو فقہ جعفری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام علیہ السلام نے اس ہنگامی دور میں ضروری سمجھا کہ اپنی آواز کو حجاز و عراق دونوں جگہ عام کیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا مدرسۂ فقہ مدینہ میں بھی تھا اور کوفہ میں بھی۔ کوفہ میں تو آپ کا مدرسہ اتنا عظیم تھا کہ اس میں چار ہزار افراد زیر تعلیم تھے اور یہ معمولی صلاحیت کے لوگ نہیں تھے، بلکہ بڑے بڑے جید علماء تھے، جن میں سے بہت سے بعد میں مدعی امامت بھی ہو گئے۔ علی بن محمد وشاء کا بیان ہے کہ میں نے مسجد کوفہ میں ۹۰۰ حلقے دیکھے، جن کے اساتذہ یہ کہہ رہے تھے کہ یہ علوم حضرت جعفر بن محمدؑ کی دین ہیں اور ہم سے انہوں نے بیان کیے ہیں۔

ایسے حالات کو پیش نظر رکھنے کے بعد فقہ جعفری کی برتری کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ فقہ اہل بیت کرامؑ کی فقہ ہے۔ امام صادقؑ کی طرف انتساب تو صرف حالات کی بناء پر ہے کہ جس قدر احکام آپ نے بیان فرمائے ہیں اتنا موقع کسی دوسرے امام کو نہیں مل سکا۔ ورنہ اس فقہ میں تمام معصومینؑ کے ارشادات شامل ہیں اور

اہل بیت کرامؑ سے تمسک اپنی پسند کا معاملہ نہیں ہے بلکہ حکم خدا و رسولؐ ہے جسے کونوامع الصادقین اور حدیث ثقلین میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے نبی کو نبی اس لیے نہیں مانا کہ انھوں نے اپنے کو نبی کہا، ورنہ ہر مدعی نبوت کو نبی تسلیم کرلیتے۔ ہم نے نبی کو نبی اس لیے مانا ہے کہ جس خدائے وحدہ لاشریک کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے تھے اس نے انھیں نبی بنایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ جو رسولؐ تمھارے حوالے کردے اسے لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ رسولؐ کے بعد اہل بیت اطہار کو بھی ان کے دعوی کی بنا پر تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ حدیث ثقلین کی بنا پر تسلیم کیا ہے۔ اعلان غدیر کی بنا پر تسلیم کیا ہے۔ رسول اکرمؐ کے قول و عمل کے اشاروں کی بنا پر تسلیم کیا ہے۔ [illegible] کہ تقاضائے عقل و فطرت کی بنا پر خدا کو مانا اور حکم خدا کی بنا پر رسولؐ کو مانا اور حکم رسولؐ کی بنا پر اہل بیتؑ کو مانا تو جب سلسلہ اطاعت و مذہب اوپر سے چلا تو بھی اہل بیتؑ پر آکر رکا۔ ان کے علاوہ مرسل اعظمؐ نے کسی فقیہ یا امام مذہب کو واجب الاطاعت نہیں قرار دیا اور نہ اس کے قول و فعل کی ضمانت لی ہے اور یہی سلسلہ جب پیچھے سے امت کی طرف سے چلا تو ساری امت میں چار فقیہ برتر قرار دیے گئے کہ ان کا علم ان کی فقاہت اور دینی بصیرت کا جواب نہیں ملا ہے اور جب ان چاروں کا جائزہ لیا گیا تو امام احمد بن حنبل امام شافعی کے تابع نظر آئے۔ امام شافعی، امام مالک کا اتباع کرتے ہوئے دکھائی دیے اور امام مالک و امام ابوحنیفہ جو اہل حدیث اور اہل قیاس کی جماعت کے سربراہ اور حجاز و عراق کے مرجع مسلمین تھے دونوں امام جعفر صادقؑ کے شاگرد نظر آئے۔ تو ہم نے فیصلہ کرلیا کہ استاد کی فقہ کے ہوتے ہوئے شاگرد کی فقہ پر اعتماد کرنا تقاضائے دانشمندی نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام امام مالک اور ابوحنیفہ کے ایسے استاد تھے کہ امام مالک کی نظر میں ان سے بڑا کوئی فقیہ نہیں تھا اور امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے:

اگر دو سال امام جعفر صادق کی شاگردی نہ کی ہوتی اور ان سے استفادہ علمیہ نہ کیا ہوتا تو نعمان ہلاک ہوجاتا۔

ہلاکت سے بچانے والے جعفر بن محمد ہی ہیں اور علوم سے مستفیض کرنے والے اہل بیت اطہار ہی [illegible] کو چھوڑ کر شاگرد کی فقہ پر اعتماد کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟۔

بعض متعصب اہل نظر نے اس قول کی صداقت میں شبہ کیا اور یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ امام جعفر صادق سے تین برس بڑے تھے اور ان کے باقاعدہ ہم عصر تھے، لہذا ان کی شاگردی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

ان بے چاروں نے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی کہ استادی سن و سال سے نہیں طے ہوتی ہے، علم اور قابلیت سے طے ہوتی ہے۔ جناب آدم نے ملائکہ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انھیں نہیں معلوم تھا، حالانکہ ملائکہ جناب آدم سے عمر میں بہت بڑے تھے۔

امیر المومنین نے خلفائے وقت کو اتنا بتایا اور

سکھایا کہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ حالانکہ وہ عمر میں جناب امیرؑ سے بڑے تھے۔ استفادہ علمیہ کے لیے سن و سال کا حساب نہیں کیا جاتا۔ صلاحیت اور قابلیت دیکھی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ علامہ شبلی نے اس مقام پر نہایت حسین بات فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے شبہات صرف تعصب کی پیداوار ہیں اور دیانت و انصاف کے خلاف ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ نہایت درجہ لائق او قابل و دانش مند تھے لیکن وہ جعفر بن محمدؑ جیسے نہیں ہو سکتے۔ امام ابوحنیفہ باہر کے آدمی ہیں اور امام جعفر صادقؑ اہل بیتؑ میں سے ہیں اور اہل بیتؑ گھر کے حالات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں جو کچھ امام جعفر صادقؑ اور ابوحنیفہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اسی نکتہ کی روشنی میں صدر اسلام کا فیصلہ کیوں نہیں کیا اور مذکورہ معاملہ میں اس نکتہ کو کس طرح فراموش کر گئے کہ حضرت ابوبکر باہر کے آدمی ہیں اور جناب فاطمہؑ دختر پیغمبرؐ ہیں۔ پیغمبرؐ کی حدیث کو جس طرح وہ جان سکتی ہیں دوسرا کوئی نہیں جان سکتا ہے۔

بہر حال امام جعفر صادقؑ سے ارتباط اور فقہ جعفریہ سے تمسک دونوں قسم کی سیر علمی کا نتیجہ ہے۔ تلاش علم میں اوپر سے چلیں تو امام جعفر صادقؑ اہل بیتؑ کے فرد کی حیثیت سے نبی اکرمؐ کے مقرر کردہ مرجع مسلمین قرار پاتے ہیں اور تلاش ہدایت میں ادھر سے چلیں تو امام جعفرؑ باقی ائمہ مذاہب کے استاد نظر آتے ہیں اور استاد کے ہوتے ہوئے شاگرد پر اعتماد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

یہ امت اسلامیہ کی بدقسمتی ہے کہ ارباب حدیث نے ان خصوصیات کو دیکھتے ہوئے بھی امام جعفر صادقؑ سے انحراف کیا اور امام بخاری نے عمران بن حطان خارجی کی روایت کو درج کرنے کے باوجود امام جعفرؑ کی روایت کو بخاری میں جگہ دینے کے قابل نہیں سمجھا۔ کیا یہ صریح ظلم اور علمی خیانت نہیں ہے اور جب خواص ایسی خیانت کر سکتے ہیں تو عوام سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ تو اتنی بڑی کتاب حدیث میں امام کا نام بھی نہیں دیکھتے۔ انھیں کیا معلوم کہ امام کی شخصیت اور ان کی علمی جلالت کیا ہے۔

فقہ جعفریہ کے امتیازی مدارک

یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن حکیم اور سنت پیغمبرؐ کو تمام امت اسلامیہ نے اپنی فقہ کے لیے مدرک قرار دیا ہے، اس کا انداز کچھ بھی رہا ہو اور تاویل و تشریح و تعبیر میں کتنی دھاندلی کی گئی ہو قرآن و حدیث کی سندی حیثیت کو چیلنج نہیں کیا گیا اور کسی نہ کسی شکل مین ان دونوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔

تسلیم کی آخری حد یہ ہے کہ دنیا کی ہر عیاری، مکاری، سلاطین زمانہ کی خیانت و جنایت کے لیے آیات قرآنی اور سنت پیغمبرؐ ہی کا سہارا لیا گیا ہے۔ تاریخ ملوک و سلاطین کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ سلاطین زمانہ نے کس طرح مذاہب کا مذاق اڑایا ہے

اور درباری علماء نے کس طرح آیات واحادیث کی تعبیر وتفسیر میں مذہب کا ستیاناس کیا ہے۔

کبھی لا تقربوا الصلوۃ کو نماز سے روکنے کا ذریعہ بنایا گیا، کبھی ویل للمصلین کو نمازیوں کی مذمت کی دلیل قرار دیا گیا اور کبھی اضعافا مضاعفۃ کو معمولی سود کے جواز میں پیش کیا گیا۔ غرض دنیا کی ہر مکاری و عیاری کے لیے قرآن حکیم کو سہارا بنایا گیا اور تاویل کے زور پر ۷۳ فرقے بنا ڈالے گئے۔ حکیم امت نے انہی حالات کو دیکھ کر فریاد کی تھی ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

قرآن وحدیث کے بعد جب تیسرے مدرک کا سوال اٹھا تو امت اسلامیہ نے اپنی جہالت کا علاج علم کے زور پر کیا اور اپنی عقل سے احکام دین وضع کرنا شروع کر دیے۔ جہاں ایک قانون نظر آیا وہاں اس کے جیسے دوسرے مواقع پر بھی وہی قانون نافذ کر دیا اور حکم الٰہی کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ حوصلہ اتنا بلند ہوا کہ رسول اکرمؐ کی حدیث پر بھی اپنے قیاس کو مقدم کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ نے پیغمبر اکرمؐ کے اس ارشاد پر کہ میدان جہاد کے مال غنیمت میں پیدل جہاد کرنے والے کا ایک حصہ ہے اور سوار کے دو حصے ہیں۔ یہ نوٹ لگا دیا کہ میں اپنی عقل سے اس حدیث اور اس قانون کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس قانون میں گھوڑے کا درجہ مسلمان کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ اور میں مسلمان کی ایسی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ یعنی پیغمبر اسلامؐ ایسی غلطی کر سکتے ہیں تو کریں میں ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔

یہ قیاس کی حد آخر ہے کہ اس نے مسلمانوں کے حوصلے اس قدر بلند کر دیے کہ احکام سازی میں قول خدا اور رسول بھی پیچھے رہ گیا، اور امت نے شریعت سازی کا کام شروع کر دیا، وہ اسلام جس نے پیغمبرؐ کو بھی شریعت کے حلال وحرام میں دخل دینے کا حق نہیں دیا تھا اور ان کا کام بھی صرف اتباع حکم خدا قرار دیا تھا، اس کے ماننے والے امت کے فقہاء کے لیے اس حق کے بھی قائل ہو گئے اور قیاس کی برکت سے ایک نیا اسلام معرض وجود میں آ گیا اور علامہ شبلی جیسے مؤرخین و محققین نے اسے خلیفہ دوم کے احسانات وکرامات میں شمار کر لیا۔

امام جعفر صادقؑ اس صورت حال کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ آپؑ نے تحفظ دین اسلام کی خاطر ہر طرح کی زحمت برداشت کر کے اس قیاس کا مقابلہ کیا اور خود مکتب قیاس کے سربراہ ابو حنیفہ سے بارہا فرمایا کہ خبردار شریعت میں قیاس نہ کرنا۔ قیاس ابلیس کا کام ہے۔ ابلیس کی گمراہی کا واحد راز یہ ہے کہ اس نے حکم خدا میں قیاس سے کام لیا اور آگ اور خاک کا جھگڑا اٹھا کر آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ قیاس ایک ابلیسی حربہ ہے جو حکم خدا کی بربادی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لیکن حکومت وقت کی امداد اور ہوس جاہ ومنصب نے ان تمام ہدایات پر عمل نہ کرنے دیا اور بالآخر اسلام نذر قیاسات ہو گیا۔ امام جعفر صادقؑ نے جن جن مقامات پر ابو حنیفہ کو قیاسات سے روکا ہے اس کی مثالیں تاریخ میں یوں ملتی ہیں:

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: اگر تم عقل سے احکام طے کر لیتے ہو تو ذرا اپنی عقل سے سوچ کر یہ بتاؤ کہ پروردگار نے آنکھ میں نمکینی، زبان میں شیرینی اور کان میں تلخی کیوں رکھی ہے؟ ابو حنیفہ نے سکوت اختیار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا: جب تم اپنی خلقت کو نہیں سمجھ سکتے ہو تو اللہ کی شریعت کو کیا سمجھو گے۔ یاد رکھو کہ آنکھوں میں نمکینی اس لیے ہے کہ یہ چربی کا ڈبا ہے۔ اس میں نمک نہ ہوتا تو پگھل جاتا۔ کانوں میں تلخی اس لیے ہے کہ جانور اندر جا کر زندگی کے درپے نہ ہو جائیں، زبان میں حلاوت اس لیے ہے کہ اشیاء کا ذائقہ معلوم ہو سکے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اچھا یہ بتاؤ وہ کون سی شے ہے جس کی ابتدا کفر ہے اور انتہا اسلام۔ امام ابو حنیفہ نے جواب سے معذوری ظاہر کی تو آپ نے فرمایا: بڑے افسوس کی بات ہے تمھیں کلمہ اسلام کی بھی خبر نہیں ہے۔ جس کا لا الہ کفر ہے اور الا اللہ اسلام ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں ہرن کے سامنے کے چار دانت، جنھیں رباعیہ کہتے ہیں، توڑ ڈالے تو اس کا کفارہ کیا ہو گا؟ ابو حنیفہ نے کہا: یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: تمھیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہرن کے ایسے دانت ہوتے ہی نہیں ہیں۔

امام علیہ السلام نے اس موقع پر ایک سوال انسان کے بارے میں کیا۔ ایک حیوان کے بارے میں اور ایک ایمان کے بارے میں اور سربراہ رائے وقیاس تینوں سے عاجز رہے تو امامت نے آواز دی کہ جسے انسان، حیوان اور ایمان کی خبر نہیں ہے اسے دین الٰہی میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟۔ یاد رکھو سنت میں قیاس کیا جائے تو دین بدنام ہو کر رد جائے گا۔ خبردار اسلام میں قیاس سے کام نہ لینا۔ اسلام دین الٰہی ہے۔ اس میں بشری عقل کا دخل نہیں ہے۔

اس قسم کا ایک دوسرا واقعہ علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے قیاس کی تردید کرتے ہوئے چند مسائل کو از روئے قیاس حل کرنے کی دعوت دی۔

فرمایا: یہ بتاؤ قتل بڑا گناہ ہے یا زنا؟ ابو حنیفہ نے کہا قتل۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں دو گواہ درکار ہیں اور زنا میں چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابو حنیفہ سے کوئی جواب نہ دیا جا سکا۔

پھر فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ نماز کی زیادہ اہمیت ہے یا روزہ کی؟ عرض کی نماز زیادہ اہم ہے۔ فرمایا پھر کیا وجہ ہے کہ عورت ایام حیض میں نماز روزہ دونوں کو چھوڑ دیتی ہے اور بعد میں روزہ کی قضاء واجب ہوتی ہے لیکن نماز کی قضاء واجب نہیں ہوتی ہے۔ ابو حنیفہ نے سکوت اختیار کیا۔

فرمایا بتاؤ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ عرض کیا پیشاب کہ اسے دو مرتبہ دھونا پڑتا ہے۔ فرمایا: پھر کیا وجہ ہے کہ پیشاب کے بعد صرف عضو کی طہارت کی جاتی ہے اور منی خارج ہونے کے بعد غسل کرنا پڑتا

ہے؟ ابو حنیفہ نے معذرت کی۔ فرمایا دیکھا تم نے کہ دین خدا میں قیاس کا کوئی امکان نہیں۔ یاد رکھو یہ احکام بھی خلاف عقل نہیں ہیں۔ اسلام کا ہر قانون عقل کے مطابق ہے۔ اگر چہ تمھاری عقل کی ایجاد اور پیداوار نہیں ہے۔

قتل اور زنا کا فرق یہ ہے کہ زنا میں مجرم دو ہوتے ہیں اور قتل میں ایک۔ اسی لیے وہاں چار گواہ درکار ہیں اور یہاں صرف دو۔

نماز اور روزہ کا فرق یہ ہے کہ روزہ سال میں ایک مہینے میں ترک ہوتا اور نماز ہر مہینے میں۔ پھر روزہ کی قضا میں کاروبار حیات پر اثر نہیں پڑتا ہے اور نماز کی قضا سے سارا کاروبار معطل ہو جاتا ہے۔ اس لیے روزہ کی قضا واجب کر دی گئی ہے اور نماز کی قضا معاف کر دی گئی ہے۔

پیشاب اور منی میں فرق یہ ہے کہ پیشاب مثانہ سے خارج ہوتا ہے اس میں صرف عضو کی طہارت کافی ہے اور منی سارے جسم کی طاقت کا نچوڑ ہے۔ جس کا مادہ ہر حصہ جسم سے اخذ کیا جاتا ہے، اس لیے اس میں غسل ضروری ہے۔

امام علیہ السلام نے ابو حنیفہ کی ناواقفیت کے اظہار کے ساتھ اسلامی احکام کے ان مصالح کی طرف بھی اشارہ کر دیا، جن کی طرف عام انسانوں کے عقل و شعور کی توجہ کے امکانات نہ تھے اور آخری جواب میں یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جب منی سارے جسم کے نچوڑ کا نام ہے تو انسان کا فرض ہے کہ عورت سے جنسی تعلقات کرتے وقت اس نکتہ کو ذہن میں رکھے اور جسم کے کسی حصے کو بھی کسی اور کام میں مصروف نہ ہونے دے، ورنہ اس طرف سے آنے والی طاقت کمزور ہو جائے گی اور اس کا اثر آنے والی نسل پر پڑے گا۔ ماں باپ کی ایک لمحہ کی غلطی اولاد کے لیے پوری زندگی کا مسئلہ بن جائے گی۔

یاد رہے کہ بعض علماء نے مذکورہ بالا واقعہ کو امام محمد باقرؑ کے حالات میں لکھا ہے لیکن مجھے اس موضوع سے کوئی بحث نہیں ہے۔ میرا مقصد تو صرف یہ گزارش کرنا ہے کہ دین الٰہی میں عقل بشر کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ مسلمان کا کام احکام پر عمل کرنا ہے احکام بنانا نہیں ہے۔ احکام کے سلسلے میں پروردگار نے رسول خدا اور آل رسولؑ کے ذریعہ دین کو کامل کر دیا ہے اور اب کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل اسلام کے دامن میں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ تشیع نے آج تک قیاس کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا اور استنباط احکام میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ ان کے پاس اہل بیت طاہرینؑ کے ارشادات کا ذخیرہ موجود ہے اور اہل بیتؑ اس دور میں بھی تھے جب مرسل اعظمؐ کے بعد نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے تھے اور انھوں نے سارے مسائل کا حل بیان کر دیا ہے۔ اب کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل ارشادات معصومینؑ میں موجود نہ ہو۔

تمسک دامن اہل بیتؑ ہی کا نتیجہ ہے کہ علماء امامیہ کو قیاس و استحسان جیسے مدارک کی ضرورت نہیں پڑی اور انھوں نے ساری زندگی احکام الٰہیہ کے سائے میں گزار دی ہے۔

(نقوش عصمت صفحہ ۴۴۱ تا ۴۵۰)

ماہ ربیع الاول کی سترہ تاریخ ۸۲ھ امام زین العابدین کے گھر میں امام محمد باقر کے صلب مقدس سے مدینہ منورہ میں ایک فرزند ارجمند کی ولادت ہوئی جن کا نام نامی جعفر الصادق ہے۔ جس وقت یہ مولود متولد ہوئے تو دائی نے جو بچے کی پیدائش میں مدد کرنے کے لیے آئی تھی دیکھا کہ بچہ چھوٹا اور کمزور ہے، اس نے خیال کیا کہ بچہ بچ نہیں سکے گا۔ باوجودیکہ اسے بچے کے زندہ بچ جانے کے بارے میں تردد تھا، اس نے اس خوشخبری کے عوض میں تحفہ حاصل کرنے کو فراموش نہ کیا اور بچے کو ماں کے پہلو میں لٹا کر اس کے والد سے اس خبر کے بدلے میں تحفہ وصول کرنے کے لیے کمرے سے باہر چلی گئی۔ اگر یہ نومولود لڑکی ہوتا تو دائی ہرگز اس کے والد کو خوشخبری نہ سناتی اور نہ ہی تحفہ طلب کرتی۔ کیونکہ اسے علم تھا کہ کوئی عرب باپ بیٹی کی پیدائش پر تحفہ نہیں دیتا۔ لیکن ہر باپ اگرچہ وہ کتنا ہی مفلس کیوں نہ ہو بیٹے کی پیدائش پر دائی کو تحفہ ضرور دیتا تھا اور ہجرت کے تراسی سال بعد بھی عربوں نے دور جاہلیت کے اس رواج کو ترک نہیں کیا تھا۔ وہ بیٹی کی پیدائش پر خوش نہیں ہوتے تھے جبکہ بیٹے کی پیدائش پر خوش ہوتے تھے۔

دائی نے نومولود کے والد کو تلاش بسیار کے باوجود گھر میں نہ پایا۔ کیونکہ پیدائش کے موقع پر امام محمدؑ باقر گھر میں نہیں تھے۔ پھر دائی کو کسی نے بتایا کہ بچے کے دادا گھر میں موجود ہیں اور وہ انھیں مل سکتی ہے۔ لہٰذا وہ دائی امام زین العابدینؑ سے اجازت لے کر ان کے قریب گئی اور کہا خداوندتعالیٰ نے آپ کو ایک پوتا عطا کیا ہے۔ زین العابدینؑ نے فرمایا امید ہے کہ اس کے قدم اس گھر کے لیے برکت کا باعث ہوں گے اور اس کے بعد پوچھا کہ یہ خوشخبری اس کے باپ کو دی ہے؟۔ دائی نے کہا وہ گھر پر نہیں ہیں، ورنہ یہ خوشخبری ان ہی کو دیتی۔ زین العابدینؑ نے فرمایا دل چاہتا ہے اپنے پوتے کو دیکھ لوں لیکن میں نہیں چاہتا کہ اسے اس کی ماں کے کمرے سے باہر لاؤں کیونکہ باہر موسم قدرے ٹھنڈا ہے اور زکام لگنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت امام زین العابدینؑ نے دائی سے پوچھا کیا میرا پوتا خوبصورت ہے؟۔ دائی میں یہ کہنے کی ہمت نہ ہوئی کہ ان کا پوتا کمزور اور ناتواں ہے۔ اس نے کہا اس کی نیلی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔ زین العابدینؑ نے فرمایا پس اس طرح تو اس کی آنکھیں میری ماں رحمۃ اللہ علیہا کی آنکھوں کی مانند ہیں۔ یزدگرد سوم کی صاحبزادی شہربانو جو امام زین العابدینؑ کی والدہ تھیں، ان کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اس طرح جعفر صادق نے مندل کے

قانون کے مطابق نیلی آنکھیں اپنی دادی سے ورثہ میں حاصل کیں۔ (یوہان کریگور مندل اٹلی کا مذہبی عالم تھا جو ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۸۴ء میں فوت ہوا۔ اس نے ایک نسل سے دوسری نسل تک خاندانی اوصاف منتقل ہونے کا قانون دریافت کیا۔)

ایک مشہور روایت کے مطابق یزدگرد سوم کی دوسری بیٹی کیہان بانو جو اپنی بہن کے ساتھ اسیر کر کے مدائن سے مدینہ لائی گئی تھیں کی آنکھیں بھی نیلی تھیں۔ اس طرح امام جعفر صادق نے دو ایرانی شہزادیوں سے نیلی آنکھیں ورثہ میں پائی تھیں۔ کیونکہ کیہان بانو ان کی نانی تھیں۔ امام علی ابن ابی طالبؑ نے جو مدینہ میں ایرانی حکومت کے خاندان کے قیدیوں کے بہی خواہ تھے۔ شہربانو کو اپنے فرزند حسینؑ کے عقد میں دیا اور کیہان بانو کی حضرت ابوبکر کے بیٹے محمد بن ابوبکر کے ساتھ شادی کی۔ کیونکہ جناب امیرؑ حضرت محمد بن ابوبکر کو اپنے بیٹوں کی مانند چاہتے تھے اور مسند نشین ہونے کے بعد محمد بن ابوبکر کا رتبہ اتنا بلند کیا کہ انھیں مصر کا گورنر مقرر فرمایا جو بعد میں معاویہ کے حکم پر اسی ملک میں قتل ہوئے۔ محمد بن ابوبکر اور کیہان بانو کے ہاں ایک بیٹا قاسم پیدا ہوا اور قاسم کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ام فروہ تھا۔ ان کا نکاح محمد باقر کے ساتھ ہوا۔ اس طرح ماں کی طرف سے بھی امام جعفر صادق کا رشتہ نیلی آنکھوں والی ایک ایرانی شہزادی سے جا ملتا ہے۔ ابھی تک مہاجرین مکہ میں نومولود کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر رکھنے کا رواج موجود تھا۔ جعفر صادقؑ کی پیدائش کے وقت ہجرت کو تراسی سال ہو گئے تھے اور اب مہاجرین مکہ کو مہاجرین کے نام سے نہیں پکارا جاتا تھا اور اسی طرح مدینہ کے قدیم باشندوں کو انصار کے نام سے نہ پکارا جاتا تھا۔ لیکن دوسرے مہاجر خاندانوں کی طرح امام زین العابدینؑ کے خاندان میں بھی نومولود کو دائی کے سپرد کرنے کا رواج ابھی تک باقی تھا۔ جعفر صادقؑ کی ولادت پر ان کے والد گرامی بے حد خوش ہوئے اور انھیں دودھ پلانے کے لیے ایک دائی کے بارے میں سوچنے لگے لیکن ام فروہ نے کہا میں اپنے بیٹے کو خود دودھ پلاؤں گی۔ شاید نومولود کی کمزوری اور ناتوانی ک و دیکھ کر ماں کو ایسا خیال آیا ہو اور پریشان ہوگئی ہو۔ کیونکہ دائی جتنی بھی رحم دل ہو ماں کی طرح نگہداشت نہیں کر سکتی۔ جعفر صادقؑ کے بچپن کے بارے میں شیعوں کے ہاں کئی روایات پائی جاتی ہیں، ان میں سے کچھ روایات بغیر راوی کے مشہور ہیں اور کچھ روایات کے راوی موجود ہیں۔ بغیر راوی کے روایات میں آیا ہے کہ جعفر صادقؑ ختنہ شدہ اور دانتوں کے ساتھ دنیا میں تشریف لائے۔ ختنہ شدہ کی روایت کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ بعض لڑکے دنیا میں ختنہ شدہ آئے ہیں لیکن اس روایت کی صحت میں تامل ہے کہ وہ دانتوں کے ساتھ دنیا میں تشریف لائے۔ کیونکہ ایک تو علم حیاتیات کی رو سے صحیح نہیں اور دوسرا یہ کہ اگر ان کے دانت تھے تو ان کی ماں انھیں دودھ نہیں پلا سکتی تھیں اور تجربہ شاہد ہے کہ جب بچہ دانت نکالتا ہے ماں دودھ دینے میں تکلیف محسوس کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب

دانت نکالنا شروع کرتا ہے تو اس کا دودھ چھڑا لیا جاتا ہے۔(یہ بات حتمی نہیں۔لہذا مطلب تصحیح طلب ہے کیونکہ زچہ خانوں میں کئی بچے دانتوں کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔مترجم)

امام جعفر صادق کی ولادت کے متعلق ایک اور روایت یہ ہے کہ جب آپ اس دنیا میں تشریف لائے تو باتیں کرنا شروع کردیں۔اسی طرح کی ایک روایت ابوہریرہ صحابی کے ذریعے پیغمبر اکرم سے نقل کی گئی ہے کہ انھوں نے کہا میں نے پیغمبر اسلامؐ سے سنا ہے کہ ان کی نسل میں ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا جس کا نام صادق ہوگا اور کسی دوسرے کا یہ نام نہ ہوگا اور جہاں کہیں بھی صادق کا نام لیں گے سب سمجھ جائیں گے کہ کہنے والوں کا مطلوب وہی ہے۔ابوہریرہ سے نقل کی گئی کچھ روایات جھوٹ پر مبنی بھی ہیں لیکن خود ابوہریرہ ایک سادہ انسان تھا اور شاید جھوٹا نہیں تھا لیکن چونکہ اسے پیغمبر اسلام بہت عزیز تھے اور ان کا کچھ حصہ آپؐ کے ہمراہ گزارتا تھا۔بعض جعلی حدیثیں گھڑنے والوں نے بہتری اس میں دیکھی کہ وہ حدیثوں کو ابوہریرہ سے منسوب کریں، تاکہ پڑھنے والا اور سننے والا دونوں قبول کریں۔اور بعض جعلی حدیثیں گھڑنے والوں نے شاید پشیمانی یا ندامت ضمیر کی وجہ سے اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے جعلی حدیثیں گھڑی ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ اس طرح کی روایات تاریخی لحاظ سے قابل قبول نہیں ہیں اور یہ روایات شیعوں کے اپنے امام کے علم اور قدرت مطلق کے بارے میں اعتقاد کا نتیجہ ہیں۔چونکہ ان کے ہاں امام منصوص من اللہ اور علم لدنی کا مالک ہوتا ہے۔کہتے ہیں کہ امام بچپن میں بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا جوانی اور بڑھاپے میں۔لیکن ایک تاریخی محقق جعفر صادقؑ کو پہچاننے کے لیے اہم ترین مسائل کی طرف توجہ دیتا ہے اور ایسی روایات کو خاطر میں نہیں لاتا۔

جعفر صادق کے بچپن کے دوران چار چیزیں ہمیں ایسی ملتی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ قدرت ان کے موافق رہی ہے۔پہلی روایت یہ کہ جعفر صادقؑ لاغر اور مریض امراض الاطفال ہونے کے باوجود زندہ رہے اور جونہی ان کی عمر دو سال ہوئی صحت مند ہوگئے۔دوسری یہ کہ جعفر صادقؑ نے ایک خوشحال گھرانے میں آنکھ کھولی اور ان کے والد و دادا بیٹے کے کھاتے پیتے لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔تیسری یہ کہ ان کی والدہ محترمہ ام فروہ خاندان ابوبکر کی اکثر عورتوں کی مانند پڑھی لکھی تھیں اور ان کے والد گرامی امام محمد باقرؑ دانشمند انسان تھے۔چوتھی یہ کہ ماں اور باپ نے جعفر صادقؑ کو دو سال سے ہی تعلیم دینا شروع کردی تھی اور موجودہ زمانے کی تعلیم و تربیت یہ کہتی ہے کہ ایک بچے میں حافظے کی قوت کا بہترین زمانہ دو سال اور پانچ سال یا چھ سال کے درمیان ہوتا ہے۔دور حاضر کے ماہرین تعلیم کا یہ بھی کہنا ہے کہ دو سال سے چھ سال کی عمر تک کے عرصے میں مادری زبان کے علاوہ دو اور غیر ملکی زبانیں بھی بچے کو تعلیم دی جاسکتی ہیں۔عموماً وہ خاندان جن کے آباء واجداد دانشمند ہوتے ہیں ان میں دانشمند بچے پیدا ہونے کے

مواقع عام لوگوں کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔

جعفر صادقؑ کے والد گرامی ایک دانش مند انسان تھے اور ان کے دادا امام زین العابدینؑ کا شمار بھی فاضل لوگوں میں ہوتا تھا۔ انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جن کا ذکر ابن الندیم صحاف نے اپنی کتاب الفہرست میں کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ اب یہ کتابیں ناپید ہیں۔ جعفر صادقؑ کے والدین کی اکلوتی اولاد نہ تھے بلکہ آپ کے چند بھائی تھے۔ امام محمدؑ باقر اور ان کے والد گرامی امام زین العابدینؑ کو دوسری اولاد کو پڑھانے میں اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی جعفر صادقؑ کو پڑھانے میں تھی کیونکہ جعفر صادقؑ کو دو سال کی عمر میں ہی پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ کبھی آپ کے دادا امام زین العابدینؑ آپ کو پڑھاتے تھے۔ ماں باپ اور دادا کی طرف سے خصوصی توجہ اس لیے تھی کہ امام جعفر صادقؑ غیر معمولی طور پر ذہین تھے۔ شیعہ اس ذہانت و فطانت کو امام کی خوبیوں میں سے جانتے ہیں لیکن مشرق و مغرب میں ایسے بچے ہو گزرے ہیں جو غیر معمولی ذہین و فطین تھے جبکہ وہ امام نہیں تھے۔ ابن سینا اور ابا العلا مصری، مشرق میں اور تاسیت مغرب میں ایسے افراد تھے جنھیں بچپن میں جو کچھ صرف ایک مرتبہ پڑھا دیا جاتا تھا وہ اسے کبھی نہیں بھولتے تھے۔ یہ تین نام نمونے کے طور پر ذکر کیے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگ ایسے ہو گزرے ہیں جو غیر معمولی طور پر ذہین اور فطین شمار کیے جاتے ہیں۔ (تاسیت ایک رومی مورخ ہے جو ۵۵ء میں پیدا ہوا۔ تقریباً دو سو کتب کا مصنف ہے جن میں تین باقی ہیں۔ ایک جرمینا جو جرمن قبائل کے بارے میں ایک جلد پر مشتمل ہے اور دوسری تاریخ جو چار جلدوں پر اور تیسری سالنامہ جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ تاریخ جو تحت اللفظی معنوں میں استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے پانی دینے یا پلانے کے دوران۔ تاسیت ۱۱۸ء میں فوت ہوا۔)

مدینہ کی دائی جو پیدائش میں زچہ کی مدد کرتی تھی ایک طرح کی سرجن ہوتی تھی۔ کیونکہ وہی بچے کا ختنہ بھی کرتی تھی۔ اسی دائی نے جس نے امام صادق کی پیدائش کی خبر ان کے دادا زین العابدینؑ تک پہنچائی ان کے بھائی کا ختنہ بھی کیا اور تین دینار معاوضہ لیا۔ جس دن اس نے جعفر صادقؑ کی پیدائش کی خوش خبری ان کے دادا کو دی اسے پانچ دینار عطا کیے گئے۔ کیونکہ ایک معزز عرب گھرانے میں بچے کی پیدائش ایک غیر معمولی اور پرمسرت واقعہ ہوتا تھا۔ کہتے ہیں جب جعفر صادق دو سال کے ہوئے ام فروہ نے ان کے لیے یہ اشعار پڑھے اور وہ ایک چھوٹی سی تلوار اور لکڑی لے کر ایک کھیل جسے تلوار کا رقص کہا جاتا ہے دوسرے بچوں کے ہمراہ کھیلتے اور ان اشعار کو پڑھتے تھے:

ابشروا حبا حبا قدہ طال نما وجہہ بدر السماء

یعنی تمھیں مبارک ہو کہ اس کا قد بلند ہو رہا ہے وہ بڑا ہو رہا ہے اور اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند ہے۔

ماخوذ از سپرمین ان اسلام صفحہ ۳۳ تا ۳۶

ترجمہ سید کفایت حسین ناشر قیام پبلی کیشنز لاہور

چغل خوری

تحریر آقائے کاظم سعید پور

مترجم مولانا اقبال حسین مقصود پوری

۱ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یغضہ بعضکم بعضا.

ایک دوسرے کی چغل خوری نہ کیا کریں۔

(میزان الحکمۃ ۲۰۳۹۶)

۲ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

ایاکم و النمیمۃ فانہا تورث الضغائن.

چغل خوری سے پرہیز کرو اس سے کینہ پیدا ہوتا ہے۔

(میزان الحکمۃ ۲۰۳۹۸)

۳ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا یدخل الجنۃ نمام

چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(میزان الحکمۃ ۲۰۴۰۹)

۴ چغل خور شیطان کا شریک ہوتا ہے اور انسان کا قاتل۔

۵ میان دو تن جنگ چوں آتش است
سخن چین بد بخت ہیزم کش است

دو آدمیوں کے درمیان جنگ آگ کی طرح ہوتی ہے جن کے درمیان چغل خوری کرنے والا بد بخت ایندھن کی طرح ہوتا ہے۔

کند ایں دہان خوش دگر بار دل
وی اندر میان شور بخت و خجل

بالآخر وہ دونوں تو ایک دوسرے سے راضی ہوجاتے ہیں۔ لیکن چغل خور بد بخت شرمندہ ہوتا ہے۔

(سعدی شیرازی)

چغل خور کی دعا

ایک سال بنی اسرائیل پر قحط سالی رونما ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند دفعہ بارش طلبی کی دعاء کا اہتمام بھی کیا۔ خداوند متعال سے بارش کی درخواست کی۔ لیکن کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ آپ پر وحی جواب آیا کہ آپ کی جماعت میں ایک چغل خور آدمی ہے جو اپنے کام میں مشغول ہے اور اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ آپ کی بار بار کی دعا بھی اسی شخص کی وجہ سے قبول نہیں ہو رہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

"خدایا! وہ کون شخص ہے، مجھے مطلع فرمائیں"۔

خطاب ہوا: "اے موسیٰ میں خود چغل خوری سے منع کرتا ہوں تو پھر اگر میں اس کے بارے تجھے بتاؤں تو کیا یہ چغل خوری نہیں ہوگی؟"۔

آپ سب سے کہہ دیں کہ توبہ کریں۔ آپ سب کی دعا قبول ہوجائے گی۔

سب نے توبہ کر لی اور بارش نازل ہوئی۔

باقی صفحہ ۴۰ پر

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَہِیْدًا، مَغْفُوْرًا، تَائِبًا

اخبار غم

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آیت اللہ العظمٰی سرکار آقائے محسن الحکیم اعلی اللہ مقامہ کے خاندان کو عظیم صدمہ

یہ خبر غم اثر بڑے دکھ درد کے ساتھ شیعی دنیا میں سنی جائے گی کہ سرکار آقائے حکیم اعلی اللہ مقامہ کے داماد آیت اللہ سید محمد علی الحکیم طویل علالت کے بعد کچھ عرصہ پہلے راہی ملک بقاء ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

ہم اس موقع پر سرکار موصوف کے اہل خاندان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور جناب مرحوم کی بلندی درجات کے لیے دعا گو ہیں۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ع

حق مغفرت کرے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

دعا ہے کہ خداوند عالم مرحوم و مغفور کی مغفرت فرمائے۔ اور تمام پسماندگان کو صبر و ضبط کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آئندہ ایسے حوادث روزگار سے محفوظ و مصؤن رکھے۔ آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین۔

(شریک غم)

☆ ملک عبدالخالق گورایہ آف علی پور گھلواں کی والدہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔

☆ سید فضل حسین شاہ آف لڑی سلطان ضلع جہلم رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم نہایت متقی اور پرہیزگار شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق دے۔

☆ ڈیرہ مہر سردار مرحوم اجالہ ضلع سرگودھا کے مہر سکندر خان رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر سے نوازے۔

☆ جناب سید اختیار حسین صاحب آف مانگووال ضلع سرگودھا کے ماموں سید ثقلین شاہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم قدوۃ السالکین پیر فضل شاہ رحمہ اللہ کے حلقہ احباب سے تعلق کی وجہ سے بہت قابل احترام شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور جوار معصومینؑ میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ چغل خوری

چائے کا خرچ

اس زمانے کی بات ہے جب چائے پینا عشرت اور اضافی خراجات سے شمار ہوتا تھا۔ ایک شخص اس خیال سے آقائے شیخ مرتضی انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آیا کہ ایک دینی طالب علم کی جو کہ چائے پینے کا عادی تھا شکایت کریں شاید آقائے انصاری اس طالب علم کے ماہانہ وظیفہ سے وہ مقدار گھٹا دیں۔

بدگو شخص نے شیخ انصاری سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: خداوند متعال آپ پر رحمت فرمائیں۔ آپ نے اچھا کیا۔ مجھے ایک اچھی بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور پھر آپ نے ملا رحمت اللہ کو بلا کر حکم دیا کہ فلاں طالب علم کے وظیفہ میں چائے کے خرچ کے مطابق اضافہ کر دیں تا کہ آسودہ خاطر ہو کر اطمینان سے دینی تعلیم پر توجہ دیں۔

اہلِ ایمان کے لیے عظیم خوش خبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

١. **فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن** کی مکمل دس جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔

٢. **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال و عبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لے کر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آگئی ہے۔

٣. **اعتقادات امامیہ** ترجمہ **رسالہ لیلیہ** سرکار علامہ مجلسی جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال و عبادات کا تذکرہ ہے۔ تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔ ہدیہ صرف تیس روپے۔

٤. **اثبات الامامت** ائمۂ اثناعشر کی امامت و خلافت کے اثبات پر عقلی و نقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن۔

٥. **اصول الشریعة** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔ ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔

٦. **تحقیقات الفریقین** اور

٧. **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔

٨. **قرآن مجید مترجم** اردو مع **خلاصة التفسیر** منصۂ شہود پر آگئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔

٩. **وسائل الشیعه** کا ترجمہ تیرھویں جلد بہت جلد بڑی آب و تاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔

١٠. **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان و شکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔

منجانب : **منیجر مکتبة السبطین**

9/296 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

Registered No. (G) H.C/722